www.KitaboSunnat.com

ضرورت عدالت میں خود پیش ہوتا اور امیر المومنین کے خلاف قاضی فیصلہ دیتا تو وہ بخوشی تسلیم کرتا تھا۔ ''عدلیہ کی آزادی کے خاتمہ'' کا پروپیگنڈا سراسر واقعات کے برخلاف ہے جیسا کہ ناظرین کرام نے گزشتہ سطور میں ملاحظہ کیا۔

بعض لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو ظلم و زیادتی کا دور ثابت کرنے کے لیے بڑی کوشش کرتے ہیں۔ واقعہ ہذا اس بات کی شہادت ہے کہ قاضیوں کی عدالت اپنے فیصلے دینے میں آزاد تھی حتیٰ کہ خلیفہ وقت کے خلاف بھی فیصلہ کر سکتی تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قتل نفس اور اکل مال بالباطل (یعنی باطل طریقے سے مال کھانا) کا طعن پھر اس کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے ایک بار فرمان نبوی بیان فرمایا تو اس کے جواب میں عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام عائد کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمیں "قتل نفس" اور "اکل مال بالباطل" کا حکم دیتے ہیں:

((فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ومن بايع اماما فاعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه ان استطاع فان جاء أخر بنازعه فاضرب عنق الاخر...... (پھر عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ کا قول ہے کہ) هذا ابن عمك معاوية يأمرنا ان نأكل اموالنا بالباطل ونقتل انفسنا......)

جواب

اولاً: یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس روایت کے رواۃ میں ایک راوی زید بن وہب جہنی کوفی ہے جس کے متعلق علماء نے وثاقت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ فی حديثة خلل كثير[1]

ثانیاً: یہ ذکر کرنا مناسب ہے کہ اس روایت کا محمل وہ دور ہے جب کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں باہم تنازعات قائم تھے۔ نیز روایت ہذا کو دیگر کبار محدثین نے بھی ذکر کیا ہے لیکن متن روایت میں قابل اعتراض الفاظ (یامرنا ان ناکل اموالنا بالباطل ونقتل انفسنا) مفقود اور غیر مذکور ہیں۔[2] یہاں سے روایت میں رواۃ کا تصرف اور کمی بیشی عیاں ہوتی ہے۔

---

[1] تہذیب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۲۷ ج ۳ تحت زید بن وہب الجہنی
کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۶۸-۷۶۹ ج ۲ تحت زید بن وہب الجہنی

[2] سنن ابن ماجہ ص ۲۹۲-۲۹۳ آخر باب السواد الاعظم من ابواب الفتن
سنن نسائی ص ۱۶۴-۱۶۵ ج ۲ کتاب البیعۃ تحت ذکر ما علیٰ من بایع الامام...... الخ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوا کہ یہ قابل اعتراض کلمات راوی کی طرف سے اضافہ شدہ ہیں اور اس نے ان کلمات کو اپنے ظن وگمان کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ذکر کیا ہے۔

اسی مضمون کو شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ نے بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

((المقصود بهذا الكلام ان هذا القائل لما سمع كلام عبدالله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وذكره الحديث فى تحريم منازعة الخليفة الاول وان الثانى يقتل فاعتقد هذا القائل هذا الوصف فى معاوية لمنازعة عليا وكانت قد سبقت بيعة على فرأى هذا ان نفقة معاوية على اجناده واتباعه فى حرب على ومنازعة ومقاتلة اياه من اكل المال بالباطل ومن قتل النفس لانه قتال بغير حق فلا يستحق احد مالا فى مقاتلة))[1]

''اس کا مطلب یہ ہے کہ جب راوی عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث سنی کہ خلیفہ اول منتخب ہو جانے کے بعد اس کے ساتھ منازعت حرام ہے اور خلافت کے دوسرے دعویدار کے ساتھ مقاتلہ کرنا چاہیے تو اس راوی نے (اس دور کے حالات کے پیش نظر) یہ گمان کیا کہ یہ وصف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں موجود ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو چکی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے خلاف منازعت کیے ہوئے ہیں۔ گویا کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف) ان کے جنود اور لشکروں پر مال خرچ کرنا باطل طریقہ ہے اور قتال کرنا قتل نفس کی دعوت ہے۔''

تو اپنے گمان کو راوی (عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ) نے ان کلمات سے تعبیر کیا اور کہا کہ هذا ابن عمك معاوية يامرنا ان ناكل اموالنا بالباطل ونقتل انفسنا حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدعی خلافت نہ تھے اور مسئلہ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نزاع کنندہ نہیں تھے بلکہ ان کا نزاع اور اختلاف قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ میں تھا، خلافت و امارت میں نہیں تھا۔ جیسا کہ یہ چیز اپنی جگہ پر منقح ہو چکی ہے۔ سیرت علوی کے یہ مقامات ملاحظہ کریں۔

فلہٰذا اس حدیث کی مخالفت نہ پائی گئی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالف نہ ہوئے۔

گویا یہ کلام راوی کے اپنے گمان کے اعتبار سے ٹھہرا جو واقعہ کے اعتبار سے درست نہیں۔

درایتاً

درایت کے اعتبار سے یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ اگر معترض کا اعتراض (اکل اموال بالباطل وقتل نفس)

---

[1] شرح مسلم (نووی) ص ۱۲۶-۱۲۷ ج ۲ تحت روایت ہذا (ابن عمک معاویہ...... الخ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح ہے تو قابل توجہ یہ چیز ہے کہ اس دور کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم نوا تھے انھوں نے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا فریضہ کیوں ادا نہیں کیا؟ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگوں میں انھوں نے شرکت کیسے اختیار کی؟ مالی و جانی تعاون کس طرح کرتے رہے؟

پس یہ امور اس بات کے قرائن اور شواہد ہیں کہ معترض کا گمان اپنی جگہ پر صحیح نہیں اور روایت مذکورہ بالا کا مفہوم وہی درست اور صحیح ہے جو اکابر علماء نے ذکر کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد بن ابی بکر کا قتل

معترض احباب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مظالم جہاں ذکر کرتے ہیں ان میں محمد بن ابی بکر کو قتل کر دینے اور ان کی لاش کو گدھے کی کھال میں رکھ کر جلانے کے وحشیانہ سلوک کا اعتراض بڑی آب و تاب سے بیان کرتے ہیں۔

اعتراض کا جواب

اس اعتراض کے جواب کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان کے ملاحظہ کر لینے سے صحیح صورت حال واضح ہو سکے گی:

① یہاں یہ چیز پہلے ذکر کر دینا ضروری ہے کہ واقعہ صفین کے بعد تحکیم کے موقع پر فیصل حضرات جب کسی متفقہ فیصلہ پر نہیں پہنچ سکے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ اسی دوران میں مصر میں محمد بن ابی بکر کے قتل کا واقعہ ۳۸ھ میں پیش آیا۔

② محمد بن ابی بکر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے سابق فرزند تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زیر کفالت جوان ہوئے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا ہے تو حملہ آوروں کی شورش میں یہ برابر کے شریک رہے اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوئے۔ محمد بن ابی بکر کا ان شورشوں میں شریک رہنا اور بغاوت کرنے والوں کی حمایت کرنا ان کا ایک ''ذاتی معاملہ'' تھا اس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے دوسری تھی اور وہ اس معاملہ میں حامی نہیں تھے جیسا کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بیان کیا گیا (جو کتاب رحماء بینہم حصہ عثمانی باب پنجم میں مذکور ہے)۔

محمد بن ابی بکر کا یہ مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعض امور میں خلاف رائے رکھتے تھے اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ہم نوا نہیں تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں محمد بن ابی بکر کے مخالفانہ و معاندانہ رویہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا درست نہیں سمجھتی تھیں اور ان کو ان حرکات سے منع کرتیں لیکن یہ اپنے رویہ سے باز نہیں رہتے تھے۔

③ جس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں میں واقعہ صفین کے بعد ایک فریق کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے فریق کے ساتھ معارضات جاری تھے اور مختلف علاقوں میں ہر دو فریق کے مقابلے اور مسابقتیں ہو رہی تھیں اور یہ شورشیں قتل وقتال تک پہنچتی تھیں، ان ایام میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔ وہاں انھیں مشکلات کا سامنا ہوا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اشتر نخعی کو ان کی معاونت کے لیے بھیجا مگر وہ راستے ہی میں قلزم کے مقام پر فوت ہو گیا۔

اسی دوران میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مصر کا والی مقرر کیا اور وہ اپنے حامیوں سمیت مصر پہنچ گئے۔ علاقہ مصر میں لوگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت سے کافی متاثر تھے خصوصاً خربتا کے لوگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف رائے رکھتے تھے اور مظلومیت عثمان رضی اللہ عنہ کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ یہ لوگ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حمایت میں ان کے ساتھ ہو گئے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فریق مخالف کے لیے معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کو مقرر کر کے روانہ کیا۔ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کا پہلے معارضہ کنانہ بن بشر وغیرہ کے ساتھ پیش آیا۔ باہم قتال ہوا اور کنانہ بن بشر مقتول ہوا۔ اس کے بعد ان کا معارضہ محمد بن ابی بکر اور اس کے ساتھیوں سے ہوا اور محمد بن ابی بکر مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور قتل ہوئے۔

تنبیہ

محمد بن ابی بکر کے قتل کے متعلق مورخین نے اس مقام پر متعدد صورتیں ذکر کی ہیں۔ واقعہ کی تفصیلات البدایہ لابن کثیر ج ۷ ص ۳۱۳-۳۱۴ تحت واقعہ ہذا اور اصابہ لابن حجر عسقلانی ج ۳ ص ۴۱۵ تحت حرف المیم (محمد بن ابی بکر) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ ہم یہاں بالاختصار ذکر کرتے ہیں:

① ایک صورت تو یہ ہے کہ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ان کا مقابلہ ہوا اور اس معارضہ کے دوران میں قتل ہو گئے۔

② دوسری صورت یہ ذکر کی جاتی ہے کہ معارضہ کے بعد ان کو گرفتار کر کے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا وہاں ان کی باہمی سخت کلامی ہوئی اور پھر ان کو قتل کر دیا گیا۔

محمد بن ابی بکر کے قتل کی وجہ فریق مخالف کی زبانی اسی طرح مذکور ہے کہ معاویہ بن خدیج کندی رضی اللہ عنہ کی ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی تو عبدالرحمٰن نے بطور طعن کہا:

((یا معاویة (ابن خدیج) قد اخذت اجرك من معاویة بن ابی سفیان لما قتلت محمد بن ابی بکر لیولیك مصر فقد ولاکها فقال ما قتلت محمدا لولایة وانما قتلة لقتله عثمان))[1]

---

[1] البیان المغرب فی اخبار المغرب ص ۱۳ ج ۱ (ابن عذاری المراکشی) تحت اخبار معاویہ بن خدیج الکندی (طبع بیروت)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یعنی اے ابن خدیج! تو نے معاویہ بن ابی سفیان سے میرے بھائی محمد بن ابی بکر کے قتل کا اجر حاصل کر لیا اور تجھے مصر کا والی بنا دیا گیا، تو ابن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ولایت مصر کے لیے محمد بن ابی بکر کو نہیں قتل کیا تھا بلکہ میں نے تو اس لیے قتل کیا تھا کہ وہ قاتلین عثمانؓ میں شریک تھا۔"

مختصر یہ ہے کہ کنانہ بن بشر اور محمد بن ابی بکر وغیرہ کا مقتول ہونا فریق مخالف کی طرف سے اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورشوں میں شریک تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں ان کا پورا پورا حصہ تھا۔

(۳) مورخین نے محمد بن ابی بکر کے قتل کی ایک یہ صورت بھی ذکر کی ہے کہ جب دونوں جماعتوں کا باہم قتال ہوا تو محمد بن ابی بکر شکست کھا کر بھاگ گئے اور ایک مقام میں مختفی ہو گئے۔ پھر وہاں سے ان کو تلاش کر کے قتل کر دیا گیا۔

یہاں مورخ طبری نے ابومخنف سے یہ روایت ذکر کی ہے اور لکھا ہے کہ محمد بن ابی بکر کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا پھر اس کی لاش کو گدھے کی کھال میں داخل کر کے جلا دیا گیا۔

((فقدمه فقتله ثم القاه فی جیفة حمار ثم احرقه بالنار))[1]

اسی روایت کے آخر میں طبری نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر پہنچی تو انھوں نے حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما پر قنوت پڑھنی شروع کر دی یعنی نمازوں کے آخر میں بددعا فرماتی تھیں۔

یہاں یہ بات نہایت اہم ہے کہ "گدھے کی کھال میں ڈال کر جلانے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بددعائیں کرنے" کی یہ روایت ابومخنف لوط بن یحییٰ رافضی بزرگ سے مروی ہے، نیز اسناد میں ابومخنف ایک واسطہ کے ذریعے سے عن شیخ من اہل المدینہ سے نقل کرتا ہے۔ وہ شیخ اپنی جگہ پر مجہول الذات والصفات ہے۔ فلہٰذا ایسی مجروح روایت ہرگز قابل اعتماد نہیں جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کیا جا سکے۔

نیز واضح رہے کہ طبری سے بعد والے مورخین اس روایت کو طبری سے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ہم نے یہاں قتل کے وجوہ اور مختلف صورتیں ذکر کرنے کے علاوہ روایت کی باعتبار سند کے حقیقت حال درج کر دی ہے فلہٰذا مذکورہ بالا اعتراض کا بے جا ہونا واضح ہو گیا اور وحشیانہ سلوک کی حقیقت بھی سامنے آ گئی کہ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

حاصل یہ ہے کہ یہاں بناء الفاسد علی الفاسد کا معاملہ ہے فلہٰذا وحشیانہ سلوک کی داستان غیر صحیح ہے۔

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۶۰ ج ۶ تحت واقعہ ہذا سنہ ۳۸ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق قنوت بعد از نماز شروع کر دینے کا اعتراض بھی صحیح نہیں۔ ایک تو یہ روایت سنداً مقدوح و مجروح ہے دوسری بات یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلقات تازیست صحیح رہے، انھوں نے روابط منقطع نہیں کیے۔ یہ چیز بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ واقعات اس طرح نہیں جس طرح معترضین بنا سجا کر پیش کرتے ہیں۔

قبل ازیں ہم نے محمد بن ابی بکر کے قتل کے متعلق موقع کی مناسبت سے کچھ حالات سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں ''بعض انتظامی امور'' کے عنوان کے تحت ذکر کر دیے ہیں اور وہیں اشتر نخعی کا ذکر بھی بقدر ضرورت ہو چکا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حجر بن عدی وغیرہ کا قتل

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جملہ مطاعن میں سے اس دور کے بعض لوگوں کو قتل کرنے کا طعن اعتراض کرنے والوں کی طرف سے بڑے آب و تاب کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی تمہیدی چیزوں میں یہ بیان کیا کرتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو مسئلہ شرعی ہے اس کی آزادی سلب کر لی گئی تھی اور لوگوں کی زبانیں حق بات کہنے سے روک دی گئی تھیں، ان پر قفل چڑھا دیے گئے تھے۔ جو حق بات کہتا تھا اس کو بدترین سزا دی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں حجر بن عدی کا قتل سرفہرست ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کو حق بات کہنے پر ۵۱ھ میں بلاوجہ جواز قتل کر دیا گیا۔

جواب

اس طعن کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان پر انصاف سے غور کر لینے کے بعد طعن مرتفع ہو سکے گا۔

پہلے ہم حجر بن عدی کی شخصیت کے متعلق کچھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں، اس کے بعد باقی متعلقہ امور ذکر کیے جائیں گے۔

حجر بن عدی

حجر بن عدی بن جبل بن عدی کوفہ کے قبیلہ کندہ کے روساء میں سے تھے۔ ان کو حجر الخیر اور حجر بن الادبر بھی کہتے تھے۔ بعض مورخین اور علماء نے حجر کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ساتھ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ وہ عابد و زاہد تھے اور دیگر علماء مثلاً امام بخاری، ابن ابی حاتم، خلیفہ ابن خیاط اور ابن حبان وغیرہ نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔[1]

ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ

((قال ابو احمد العسکری اکثر المحدثین لا یصححون له صحبة))[2]

---

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۱۳ ج ا تحت حجر بن عدی

[2] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۰ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یعنی ابو احمد عسکری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اکثر محدثین حجر بن عدی کے صحابی ہونے کو صحیح قرار نہیں دیتے۔''

آپ جنگ قادسیہ میں شامل ہوئے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جمل وصفین کی حروب میں بھی شامل ہوئے۔ آپ کا شمار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص حامیوں میں ہوتا تھا۔ آپ حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے نظریاتی طور پر سخت خلاف تھے۔ کوفہ سبائی پارٹی کا خصوصی مرکز تھا۔ حکومت کے خلاف ان کی سازشوں اور فتنہ پردازیوں سے جو لوگ متاثر تھے ان میں حجر بن عدی نمایاں حیثیت رکھتے تھے اور فتنہ انگیز پارٹی کے اثرات سے کافی متاثر بلکہ مغلوب تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حجر بن عدی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عذراء کے مقام پر شعبان ۵۱ ھ میں قتل کیے گئے۔[1]

خلیفہ کی مخالفت

جب حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما کا دور خلافت گزر گیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور آیا تو حجر بن عدی کے نظریات میں خاصا تصلّب واقع ہو چکا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے امیر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جب خطبہ دیتے تو یہ لوگ ان کے خلاف تشدد اور سخت کلامی کے ساتھ پیش آتے لیکن حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اپنی قوت برداشت اور حلم کی بنا پر درگزر فرماتے اور مناسب فہمائش کرتے کہ امیر وقت کے ساتھ معارضہ کرنا درست نہیں مگر حجر بن عدی اپنے تشدد سے باز نہیں آتے تھے۔[2]

مسئلہ عطا پر نقد

بعض دفعہ لوگوں کو وظائف کی ادائیگی میں تاخیر ہو جاتی تو حجر بن عدی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں اٹھ کھڑے ہوتے۔ اور جب بعض لوگوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حجر بن عدی پر سختی کرنے کے لیے کہا کہ یہ مسلمانوں کے اتفاق کی لٹھ توڑنا چاہتے ہیں اور امیر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو پھر بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو کوئی سزا نہیں دی اور ان سے درگزر فرمایا۔

بیت المال کے اموال پر معارضہ

مورخین لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے والی کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بیت المال سے کچھ مال یہاں دارالخلافہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ یہ مال بھیجنے لگے تو حجر بن عدی معارضہ کرتے ہوئے ان سواریوں کی لگام پکڑ کر مال روکنے پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ یہاں حق والوں کا حق ادا کیا جائے۔ اس موقع پر بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حسب معمول سختی نہیں کی اور عفو و درگزر سے

---

1. مستدرک حاکم ص ۴۶۹ ج ۳
2. البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۰ ج ۸ تحت حالات سنہ ۵۱ ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام لیا۔[۱]

بعدہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ۵۰ھ میں وفات پا گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کو کوفہ اور بصرہ دونوں کا والی مقرر فرما دیا۔ حجر بن عدی اپنی سابقہ روش کے مطابق زیاد بن ابیہ والی کوفہ و بصرہ کے خطبات پر بھی تنقید اور معارضہ کرنے لگے اور حکومت کے نظم کے معاملات میں دخیل ہونے لگے۔

والی کوفہ پر کنکر پھینکنا

ایک روز زیاد بن ابیہ کوفہ میں خطبہ دینے لگا، اس مقام پر حجر بن عدی اپنی جمعیت کے ساتھ موجود تھے اور ہتھیار لگا کر آئے تھے۔ زیاد نے خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد دیگر چیزوں کے علاوہ امیر المومنین کے حقوق کا ذکر کیا۔ اس مسئلے پر حجر بن عدی کو اختلاف تھا اس نے زیاد پر کنکر پھینکے اور کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، تم پر اللہ کی لعنت ہے۔

((وجعل زياد فى خطبة ان من حق امير المؤمنين يعنى كذا و كذا فاخذ حجر كفا حصباء فحصبه وقال كذبت عليك لعنة الله))[۲]

حجر بن عدی اور اس کے رفقاء کا رویہ

ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں ابن جریر طبری کے حوالے سے اس جمعیت کی شورشوں اور فتنہ پردازیوں کو متعدد بار ذکر کیا ہے اور ایک مقام پر اس چیز کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((انهم كانوا ينالون من عثمان ويطلقون فيه مقالة الجور وينتقدون على الامراء و يسارعون فى الانكار عليهم، ويبالغون فى ذالك ويتولون شيعة على ويتشدون فى الدين))[۳]

''مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں اعتراض کرتے تھے اور ان کے حق میں جور و ظلم منسوب کرتے تھے۔ وہ امراء و حکام کی سخت عیب جوئی کرتے تھے اور ان پر انکار کرنے میں جلد بازی کرتے تھے اور اس معاملے میں غلو کرتے تھے، شیعان علی کی دوستی کا دم بھرتے تھے اور دین کے معاملات میں تشدد اختیار کیے ہوئے تھے۔''

گویا اس جماعت کے طریق کار کو بطور نمونہ ذکر کیا ہے ان کے کارناموں کی مزید تشریح آئندہ سطور میں آ رہی ہے۔ اسی سلسلے میں معارضہ کے واقعات کو زیاد نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

[۱] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۰ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ

[۲] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ

[۳] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۴ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (حالات قتل حجر بن عدی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بصورت مکتوب لکھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا کہ حجر بن عدی اور شورش میں شامل اس کے دیگر ساتھیوں کو گرفتار کر کے یہاں دمشق بھیج دیا جائے۔

چنانچہ زیاد نے ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے لیے چند آدمی بھیجے تو حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے پتھروں اور ڈنڈوں سے ان کا پورا پورا مقابلہ کیا۔ مگر زیاد کے آدمی انھیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے اور زیاد نے انھیں دس دن اپنے پاس حراست میں رکھا۔ پھر اس کے بعد ان کو خلیفہ وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا اور ان کے ساتھ ایک جماعت کو بھیجا جو گواہی دیتے تھے کہ:

① حجر بن عدی نے خلیفہ وقت پر سب وشتم کیا ہے۔
② امیر وقت کے ساتھ محاربہ قائم کیے ہوئے ہیں۔
③ یہ کہتے ہیں کہ امارت اور خلافت آل ابی طالب کے علاوہ کسی کے لیے درست نہیں۔

((انه سب الخلیفة وانه حارب الامیر وانه یقول ان هذا لامر لا یصلح الا فی آل علی بن ابی طالب)) [1]

ان واقعات کے لیے جو شہادت زیر تحریر لائی گئی تھی ابن جریر طبری نے اس کو بالفاظ ذیل درج کیا ہے

((ان حجرا جمع الیه الجموع واظهر شتم الخلیفة ودعا الی حرب امیرالمومنین وزعم ان هذا الامر لا یصلح الا فی آل ابی طالب و وثب المصر واخرج عامل امیرالمومنین واظهر عذار أبی تراب والترحم علیه والبراءة من عدوه واهل حربه وان هؤلاء النفر الذین معه هم رءوس اصحابه وعلی مثل رأیه وامره)) [2]

''مطلب یہ ہے کہ ان اکابر لوگوں نے شہادت دی کہ حجر بن عدی نے اپنے گرد ایک جمعیت جمع کر رکھی ہے، خلیفہ وقت کو سب وشتم کرتے ہیں، امیر المومنین کے خلاف قتال کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آل ابی طالب کے علاوہ کسی کے لیے امارت وخلافت درست نہیں، اور شورش کھڑی کر کے امیر المومنین کے حاکم و عامل کو شہر سے نکال دیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معذوری ظاہر کر کے ان پر ترحم کرتے ہیں اور ان کے مخالفین سے براءت اور بیزاری کرتے ہیں، اور یہ جو ان کے ساتھی ہیں یہ ان کی جماعت کے سربرآوردہ لوگ ہیں، حجر بن عدی اور ان کی جماعت کی ایک رائے ہے اور ایک ہی نظریہ کے حامل ہیں۔''

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ ھ (حالات قتل حجر بن عدی)

[2] تاریخ طبری ص ۱۵۰ ج ۶ تحت سنہ ۵۱ ھ حالات واقعہ ہذا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس شہادت کو ابن خلدون رحمہ اللہ نے بالفاظ ذیل درج کیا ہے:

((فشهدوا كلهم ان حجرا اجتمع الجموع واظهر شتم معاوية ودعا الى حربه وزعم ان الامر لا يصلح الا فى الطالبيين))[1]

مختصر یہ ہے کہ حجر بن عدی اور ان کی سبائی پارٹی اس وقت کے نظام حکومت اور انتظامی خلافت کو الٹ کر کوئی دوسرا اقتدار قائم کرنے کا منصوبہ رکھتے تھے اور لوگوں کو اس تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ گویا اسلام کی متفقہ قوت میں پھر انتشار ڈالنا ضروری سمجھتے تھے۔

ارسال شہادات اور اس کے نتائج

ان حالات کے تحت زیاد نے اس معاملے کے متعلق ان شہادتوں کو مرتب کر کے مرکزی حکومت کو ارسال کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ چنانچہ گزشتہ واقعات پر شہادت دینے والے ستر افراد میں درج ذیل شاہدین شامل تھے (جن میں بعض صحابہ کرام اور بعض تابعین ہیں)

ابو بردہ بن ابی موسیٰ، وائل بن حجر، عمرو بن سعد بن ابی وقاص، اسحاق و اسمٰعیل و موسیٰ فرزندان طلحہ بن عبیداللہ، منذر بن زبیر، کثیر بن شہاب اور ثابت بن ربعی وغیرہم۔

یہ شہادتیں مرتب کر کے زیاد بن ابیہ والی کوفہ و بصرہ نے خلیفہ وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں سمیت ارسال کیں اور ساتھ ہی مذکورہ ستر شاہدین میں سے کچھ افراد کو بھی خلیفہ کے سامنے براہِ راست شہادت پیش کرنے کے لیے دمشق بھیجا۔ ان میں سے وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب مشہور ہیں۔

چنانچہ حجر بن عدی اپنے ساتھیوں سمیت مذکورہ شاہدین کے ہمراہ پیش ہوئے اور مرتب شدہ شہادتیں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی گئیں۔ آپ نے مرتب شدہ شہادتیں ملاحظہ کرنے اور شاہدین سے براہِ راست شہادت لینے کے بعد جرم ثابت ہونے پر حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو عذرا کے مقام (جو دمشق کا ایک قریہ ہے) پر لے جا کر قتل کرنے کا حکم صادر کیا۔

فلہٰذا خلیفہ وقت کے احکام کے مطابق حجر بن عدی، شریک بن شداد، صیفی بن فسیل، قبیصہ بن ضبیعہ، محرز بن شہاب منکری اور کدام بن حبان، ان چھ افراد کو عذرا کے مقام پر لے جا کر قتل کر دیا گیا۔[2]

حجر بن عدی کے بعض دیگر ساتھیوں کا معاملہ قتل کی سزا تک نہیں پہنچا تھا اور بعض مزید عوارض بھی پیش نظر ہوں گے لہٰذا ان کو سزا نہیں دی گئی اور آزاد کر دیا گیا۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون ص ۲۶ ج ۳ ق اول (تحت واقعات ہذا) طبع بیروت۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۲ ج ۸ تحت واقعہ ہذا سنہ ۵۱ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ازالہ شبہات

واقعہ ہذا میں معترضین نے بہت کچھ شبہات پیدا کر دیے ہیں جن میں سے ضروری شبہات کا ازالہ کرنا مناسب خیال کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق ذیل میں چند امور پیش کیے جاتے ہیں۔ طعن کرنے والے احباب حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کو بلا جواز شرعی ظلماً قتل کیا جانا شمار کرتے ہیں اور ان کے قول کے مطابق یہ مقتولین اس وقت حق گوئی کرتے تھے اور والیوں کے مظالم کے خلاف آواز اٹھاتے تھے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ بقول معترضین یہ لوگ خلیفہ وقت کے خلاف باغی نہ تھے اور بغاوت کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی۔

ازالہ

حقیقت واقعہ اور ان لوگوں کے مقاصد کی وضاحت معلوم کرنے کے لیے تاریخوں میں مفصل مواد موجود ہے جس میں مورخین نے ان کے خلیفہ وقت کے خلاف نظریات کو برملا طور پر ذکر کر دیا ہے۔ گزشتہ حوالہ جات میں ابن جریر، ابن کثیر، ابن خلدون کی عبارات بلفظہٖ نقل کر دی گئی ہیں جو ان لوگوں کے نظریات کی پوری طرح آئینہ دار ہیں۔

اسی طریق سے بے شمار مورخین نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ مسلمانوں کا اس وقت ایک خلیفہ اسلام پر اتفاق ہو گیا تھا اور ہاشمی حضرات سمیت اکابرین وقت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے امت کے اختلاف و افتراق کو ختم کر دیا تھا۔ اس طریقہ سے اسلام کی ایک نئی شیرازہ بندی ہو گئی تھی، اسلامی حکومت کا نظام ایک مرکز کے تحت قائم ہو گیا تھا۔ اب ان حالات میں مسلمانوں کی اس اجتماعی قوت اور مرکزی طاقت کو ختم کرنے کے لیے یہ ایک گونہ سبائی پارٹی کی طرف سے تحریک تھی جو کسی طرح جائز نہیں تھی اور اس میں افتراق پیدا کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہ تھا۔

اسلام میں اطاعت امیر واجب ہے اور اس کا خلاف کرنا شرعاً منع ہے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں امت میں اتفاق قائم رکھنے اور افتراق سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے حتیٰ کہ بعض جگہ افتراق جماعت پر وعیدیں مذکور ہیں۔ چنانچہ چند ایک ارشادات نبوی یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

① ((عن اسامة بن زيد رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من فرق بين امتى وهم جميع فاضربوا رأسه كائنا من كان))[1]

''یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: درآں حالے کہ امت مجتمع ہے پھر ان کے درمیان کوئی تفریق کھڑی کرتا ہے تو اس کا سر اڑا دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۰۱ ج ۱۵ کتاب الفتن طبع کراچی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز دوسری روایت میں فرمایا کہ:

② ((عن عرفجة رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول انه سيكون هنات هنات فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهي جميع فاضربوه بالسيف كائنا ما كان))[۱]

''عرفجہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ عنقریب کئی شر و فساد ہوں گے۔ پس جو شخص اس امت کے اجتماع میں تفریق ڈالے اسے تہ تیغ کردو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''

اس نوع کے بہت سے فرامین نبوی احادیث میں موجود ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا فرامین نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں یہ اقدام کرنا ضروری سمجھا۔

شیعہ کی طرف سے اس مسئلے کی تائید

شیعہ کے قدیم ترین مورخ ابو حنیفہ احمد بن داود دینوری شیعی (المتوفی ۲۸۲ھ) نے مسئلہ ہذا کے متعلق چند تصریحات ذکر کی ہیں جو اس مرحلے کے واقعات کو صاف کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ شیعہ لوگ حجر بن عدی و عمرو بن حمق وغیرہ مقتولین کے حامی ہیں اور ان کو بہتر سمجھنے والے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں، فلہٰذا ان لوگوں کے بیانات ان واقعات میں ضرور قابل توجہ ہیں۔

بنا بریں ہم ناظرین کرام کی خدمت میں ان چیزوں کو ایک ترتیب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جو منصف طبائع کے لیے حقیقت واقعہ معلوم کرنے میں مفید ہوں گی اور اختلاف کھڑا کرنے والی جماعت کا پس منظر معلوم کرنے میں معاون ہوں گی:

① ایک تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات۔

② دوسرے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے اقوال۔

③ اور تیسرے نمبر پر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ارشادات ہیں۔

اب علی الترتیب ان مندرجات پر بغور نظر فرمائیں:

(۱) ابو الائمہ کے فرمودات

① شیعہ مورخ احمد بن داود ابو حنیفہ دینوری شیعی اپنی مشہور تصنیف اخبار الطوال میں ذکر کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص طرفداروں میں سے حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ (حضرت) امیر معاویہ اور اہل شام کو برملا سب وشتم اور لعن طعن کرتے تھے۔ جب یہ چیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی

---

[۱] مشکوٰۃ شریف ۳۲۰ باب الامارۃ بحوالہ مسلم شریف
مسلم شریف ص ۱۲۸ ج ۲ باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین......الخ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف اپنا فرستادہ بھیج کر یہ فرمان جاری کیا کہ سب وشتم اور لعن طعن سے آپ لوگ باز آ جائیں۔ اس پیغام کے بعد وہ دونوں حضرات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے امیر المومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم یہ بات بالکل درست ہے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ آنجناب ان کو سب وشتم اور لعن طعن کرنے سے ہمیں کیوں منع کرتے ہیں؟ تو جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمھارے سب وشتم اور لعن طعن کرنے کو مکروہ جانتا ہوں لیکن تم لوگوں کو دعا کرتے ہوئے یوں کہنا چاہیے کہ اے اللہ! ہم دونوں فریق کو خوں ریزی سے بچا لے اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح فرما دے اور ان کو بھٹک جانے سے ہدایت فرما۔ حتیٰ کہ جو حق سے ناواقف ہے وہ حق بات کو پہچان لے اور نزاع کھڑا کرنے والا سخت جھگڑے سے باز آ جائے۔

((وبلغ عليا ان حجر بن عدى وعمرو بن الحمق يظهران شتم معاوية ولعن اهل الشام، فارسل اليهما ان كفا عما يبلغني عنكما فاتياه فقالا "يا أمير المومنين" السنا على الحق، وهم على الباطل؟ قال بلى ورب الكعبة المسندنة قالوا: فلم تمنعنا من شتمهم ولعنهم؟ قال كرهت لكم ان تكونوا شتامين لعانين ولكن قولوا اللهم احقن دماءنا ودماءهم واصلح ذات بيننا وبينهم واهدهم من ضلالتهم حتى يعرف الحق من جهله ويرعوى عن الغى من لجج به))[1]

(۲) اسی طرح شیعہ کا دیگر قدیم مورخ جو خالص رافضی ہے اور دینوری سے بھی سابق دور کا آدمی ہے یعنی نصر بن مزاحم منقری المتوفی ۲۱۲ھ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ فرمان کو اپنی سند کے ساتھ اپنی تصنیف ''وقعۃ الصفین'' میں مفصل طور پر درج کیا ہے۔ چونکہ ان دونوں دینوری و منقری کی روایات کا مضمون و مفہوم ایک ہی ہے اس لیے منقری کی روایت کی عبارت کو ترک کر کے صرف حوالہ پر اکتفا کیا ہے۔ تمام عبارات دینے میں بہت تطویل ہو جاتی ہے۔

(۳) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان نہج البلاغہ میں بھی مذکور ہے،[2] چند الفاظ کا جزوی فرق پایا جاتا ہے باقی مضمون ایک ہی ہے۔

ناظرین کرام پر واضح رہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان قبل ازیں ہماری کتاب مسئلہ

---

[1] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۱۶۵ طبع مصر (تحت واقعات صفین)
وقعۃ الصفین (نصر بن مزاحم منقری) ص ۱۱۵ طبع مصر تحت نصیحۃ علی لحجر بن عدی وعمرو بن حمق۔

[2] نہج البلاغہ ج ۱ ص ۴۲۰ تحت من کلام لہ علیہ السلام فی النھی عن سب اہل الشام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقربا نوازی ص ۱۸۵-۱۸۶ میں درج ہو چکا ہے۔ البتہ منقری کا حوالہ یہاں اضافہ کیا گیا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے جسے قدیم شیعی مورخین دینوری و منقری وغیرہ نے نقل کیا ہے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ

① جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کو سب وشتم اور لعن طعن کرنے کے روا دار نہیں تھے اور باوجود سیاسی اختلافات کے اس طریق کار کو مکروہ و مبغوض جانتے تھے۔ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ جب ان چیزوں کا ارتکاب کرتے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کو اس طریق کار سے برملا منع فرماتے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے۔ بلکہ ان کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تعلیم و تلقین ہوتی تھی کہ فریق مقابل کے حق میں صلح و مصالحت کے لیے دعائیں مانگیں اور حق بات کے قبول کرنے کے لیے ہدایت کی اللہ جل شانہ سے استدعا کریں۔

② نیز ان لوگوں کی سرشت میں تشدد اور تفرق کے جذبات یہاں سے ظاہر ہوتے ہیں اور خصوصاً حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ کے متشددانہ رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ابتدا ہی سے ان مسائل میں سخت ترین روش اختیار کیے ہوئے تھے جو خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے منشا و مقصد کے خلاف تھی اور ان کی تعلیم و تلقین کے برعکس تھی۔

(۲) سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے ارشادات

اب ذیل میں ہم سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور حجر بن عدی کا ایک مکالمہ شیعہ مورخین کی زبان سے مختصراً نقل کرتے ہیں:

① جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسئلہ خلافت میں مصالحت کر لی اور ''منصب خلافت'' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور ان سے اس امر پر بیعت کر لی تو اس وقت حجر بن عدی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کو اس فعل پر شرم و ندامت دلائی اور ملامت کرنے لگے اور تقاضا کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس معاملہ میں جنگ و قتال کرنا چاہیے اور مزید کہنے لگے کہ یہ معاملہ آپ نے ایسا کر دیا ہے کہ مجھے اس واقعہ سے پہلے موت آ جاتی تو بہتر ہوتا۔ اے حسن! آپ نے ہمیں عدل سے نکال کر ظلم کی طرف ڈال دیا ہے اور ہم حق کو چھوڑ کر باطل میں داخل ہو گئے ہیں جس سے ہم بھاگنا چاہتے تھے۔ آپ کی وجہ سے ہمیں وہ خست اور دناءت نصیب ہے جو ہمارے لائق نہیں تھی۔

((وکان اول من لقی الحسن بن علی فندمه علی ما صنع ودعاه الی ردا الحرب حجر بن عدی۔ فقال له یابن رسول الله لوددت انی مت قبل ما

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رأيت اخرجتنا من العدل الى الجور فتركنا الحق الذى كنا عليه ودخلنا فى الباطل الذى كنا نهرب منه واعطينا الدنية من انفسنا وقبلنا الخسيسة التى لم تلق بنا))[1]

اس مکالمہ کا حاصل یہ ہے کہ حجر بن عدی اس صلح کو کسی قیمت پر قبول نہیں کرتے تھے اور وہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو اس فعل پر ملامت کرتے تھے اور ندامت دلاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ نے بڑا ظلم کیا ہے، حق کو چھوڑ کر باطل اختیار کر لیا ہے۔ حجر بن عدی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو صلح کے مقابلے میں جنگ و قتال کھڑا کرنے کی دعوت دیتے اور اس پر آمادہ کرتے تھے۔

(۲) اس کے بعد یہ شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حجر بن عدی کا کلام نہایت شاق گزرا اور سخت ناگوار ہوا۔ چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کی بڑی خواہش صلح میں دیکھی ہے اور وہ جنگ کو مکروہ جانتے تھے۔ اس لیے میں نے یہ بات پسند نہیں کی کہ ان کو مکروہ بات پر برانگیختہ کروں۔ ان حالات میں اپنے ساتھیوں کے قتل و قتال سے بچاؤ کی خاطر میں نے صلح کر لی ہے اور میں نے جنگ و جدال کو ایک وقت تک موقوف کر دیا ہے۔

((فاشتد على الحسن رضي الله عنه كلام حجر، فقال له انى رأيت هوى عظم الناس فى الصلح وكرهوا الحرب، فلم احب ان احملهم على ما يكرهون، فصالحت بقيا على شيعتنا خاصة من القتل، فرأيت دفع هذه الحروب الى يوم ما فان الله كل يوم هو فى شأن))[2]

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حجر بن عدی کے متشددانہ و متحاربانہ نظریات ناگوار تھے اور ان کی اپنی رائے اس معاملہ میں دوسری تھی یعنی وہ فساد و انتشار کے بجائے قوم میں صلح جوئی اور مصالحت کو پسند فرماتے تھے۔

(۳) سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرمودات

شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا مکالمہ اور گفتگو کے بعد حجر بن عدی، عبیدہ بن عمرو کے ہمراہ اپنے مخالفانہ نظریات کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور کہنے لگے کہ تم نے عزت دے کر ذلت خرید لی ہے اور تم نے کثیر کو چھوڑ کر قلیل کو قبول کر لیا ہے۔ آج آپ اہل زمانہ کی نافرمانی کر کے ہماری بات تسلیم کیجیے اور اپنے بھائی حسن کو بھی چھوڑیے اور جو کچھ انھوں نے صلح کر رکھی ہے اسے جانے دیجیے۔ میں اہل

---

[1] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ طبع اول مصر

[2] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوفہ وغیرہ میں سے آپ کے شیعوں اور خیر خواہوں کو جمع کر کے آپ کی خدمت میں لاتا ہوں، مجھے آپ اس معاملہ پروالی بنائیے تاکہ ہم ابن ہند (معاویہ) کے ساتھ تلواروں سے جنگ وقتال کریں۔

((قال فخرج من عنده ودخل على الحسين رضی اللہ عنہ مع عبيدة بن عمرو فقالا ابا عبدالله شريتم الذل بالعز وقبلتم القليل وتركتم الكثير اطعنا اليوم اعصينا الدهر دع الحسن وما رأى من هذا الصلح واجمع اليك شيعتك من اهل الكوفة وغيرها وولنى وصاحبى هذه المقدمة فلا يشعر ابن هند الا ونحن نقارعه بالسيوف))[1]

اس کے جواب میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی اور عبیدہ بن عمرو کی اس تلخ گفتگو اور قتال پر آمادہ کرنے والے کلام کے جواب میں فرمایا: ہم امیر معاویہ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر چکے ہیں اور اس پر بیعت کر چکے ہیں، اب اس بیعت کے توڑنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

((فقال الحسين انا قد بايعنا وعاهدنا ولا سبيل الى نقض بيعتنا))[2]

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ اہل اسلام میں مصالحت ہو چکی ہے، اب اس معاہدہ صلح کی عہد شکنی کر کے پھر قتال بین المسلمین زندہ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہا، اب ہم سے معاہدہ کا خلاف نہیں ہوسکتا۔

مختصر یہ ہے کہ مسئلہ (ظلماً قتل) پر پہلے مشہور مورخین طبری، ابن کثیر اور ابن خلدون وغیرہ کے بیانات ہم نے پیش کیے ہیں ان میں اس گروہ کے نظریات اور جارحانہ اقدامات واضح طور پر سامنے آ گئے ہیں۔ اس جماعت کے سرگروہ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق تھے۔ ان لوگوں کی تمام مساعی افتراقی نوعیت کی تھیں اور حرب وقتال کھڑا کرنے میں پیش پیش تھے۔

پھر اس کے بعد ہم نے شیعہ کے اکابر مورخین کے بیانات درج کیے ہیں جن سے اصل مسئلے کی تائید مطلوب ہے۔ اور شیعہ کے مندرجات سے بھی یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جن اکابر علوی حضرات کا یہ خانگی مسئلہ تھا (حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما) ان کے فرمودات ونظریات حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ کی جارحانہ رائے کے بالکل برعکس پائے جاتے تھے۔

ان تمام امور پر نظر کر لینے کے بعد یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو ان لوگوں کے قتل کا اقدام کیا ہے وہ حسب قواعد شرعی پوری شہادتیں حاصل کرنے اور جرم ثابت ہو جانے کے بعد کیا

---

1. اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ
2. اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۰۰ تحت زیاد بن ابیہ طبع اول مصر۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، یہ خلاف شرع نہیں کیا اور نہ ظلماً ہی قتل کیا ہے بلکہ اس کے لیے شرعی جواز کے اسباب وعوامل موجود تھے۔ یہ لوگ خلیفہ وقت کی نظروں میں فساد فی الارض کی سعی کر رہے تھے اور اہل اسلام کے مرکزی وفاق اور اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ چیزیں بغاوت کے حدود میں آتی ہیں جن کے فرو کرنے میں خلیفۃ المسلمین بااختیار ہے۔

اسی نوعیت کا ایک واقعہ

مورخین نے لکھا ہے کہ مرج عذرا کے مقام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی اور اس کے چند ساتھیوں کو وجوہ قتل ثابت ہونے پر قتل کروا دیا تھا۔ حجر بن عدی کے دو بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن تھے جو اپنے آپ کو متشیع کہتے تھے۔ یہ دونوں بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے سخت خلاف تھے اور ان کی اطاعت تسلیم نہیں کرتے تھے اور ان کے خلاف بغاوت کی شورش برپا کیے ہوئے تھے۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اس بغاوت کی بنا پر ان دونوں بھائیوں کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بھائی مصعب بن زبیر نے قتل کر دیا تھا۔

((حجر بن عدی...... فقتله معاوية بمرج عذراء مع عدة وكان له ابنان متشيعان يعالى لها عبدالله و عبدالرحمن قتلهما مصعب بن زبير صبرا))

مطلب یہ ہے کہ خلیفہ وقت کے خلافت بغاوت کرنے والوں کو ان کی شورش کی بنا پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ حجر بن عدی کا قتل جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا تھا وہ ان دونوں بھائیوں کے قتل کے مشابہ ہے۔ اسلامی مملکت کی حفاظت کی خاطر اس نوع کے قتل تاریخ میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تاثرات

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب معلوم ہوا کہ حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو خلیفہ وقت کے خلاف متشددانہ مساعی کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتل کی سزا کا حکم صادر کیا گیا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ازراہ شفقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کی سزا معاف کرنے کے لیے قاصد بھیجا۔ لیکن جب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان لے کر قاصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچا تو حجر بن عدی اور اس کے کچھ ساتھی پہلے ہی قتل ہو چکے تھے لہٰذا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کی رعایت نہ کی جاسکی۔ البدایہ میں ہے کہ

((وجاء رسول عائشة بعد ما فرغ من شأنهم))[1]

جب یہ واقعہ رونما ہو چکا تو اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بار مدینہ منورہ تشریف لائے اور

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۴ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (حالات واقعہ ہذا)
تاریخ ابن خلدون ص ۲۹ ج ۳ تحت بحث معاویہ العمال الی الامصار طبع بیروت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب یہ واقعہ رونما ہو چکا تو اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بار مدینہ منورہ تشریف لائے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ دوران گفتگو میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا ذکر آیا۔

اس مقام پر مورخین نے متعدد روایات اس گفتگو کے متعلق ذکر کی ہیں:

① بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کے سلسلے میں بطور شکوہ گفتگو کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا

((لست انا قتلتهم انما قتلهم من شهد عليهم))[1]

''یعنی میں نے ان لوگوں کو قتل نہیں کیا بلکہ جن لوگوں نے ان کے خلاف گواہی دی ہے انھوں نے قتل کیا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے قتل کا باعث اصل میں وہ شہادتیں ہیں جو ان کے خلاف حسب قاعدہ قائم ہوئیں اور ان کی بنا پر یہ نتیجہ مترتب ہوا۔

② ایک دوسری روایت میں ہے کہ

((قالت له اقتلت حجرا فقال وجدت فى قتله صلاح الناس وخفت من فسادهم))[2]

''یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کیا آپ نے حجر کو قتل کر دیا؟ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان کے قتل میں لوگوں کی بھلائی اور بہتری تھی، میں نے ان لوگوں کے شر و فساد سے خوف کھایا (اس وجہ سے یہ اقدام کیا گیا)۔''

③ اسی طرح ایک دیگر روایت اس طرح ہے کہ

((فلما حج معاوية (رضی اللہ عنہ) قالت له عائشة رضی اللہ عنہا: اين غاب عنك حلمك حين قتلت حجرا؟ فقال حين غاب عنى مثلك من قومى))[3]

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۵۶ ج ۶ تحت سنہ ۵۱ھ
سیرت حلبیہ ص ۱۹۱ ج ۳ تحت سریۃ الرجیع (حالات خبیب کے آخر میں)

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۷۶ ج ۲ تحت حجر بن عدی، طبع اول مصر
دول الاسلام (ذہبی) ص ۲۵ ج ۱ تحت سنہ ۵۱ھ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۵ ج ۸ تحت واقعہ ہذا، سنہ ۵۱ھ

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۴ ج ۸ تحت واقعہ ہذا سنہ ۵۱ھ
تاریخ ابن خلدون ص ۲۹ ج ۳ تحت بعث معاویہ العمال الی الامصار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حجر کے قتل کے موقع پر اے معاویہ! آپ کا حلم و بردباری کہاں غائب ہوگئی؟ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گزارش کی کہ قوم میں سے جب جناب جیسی (خیر خواہ) شخصیت میرے پاس موجود نہ تھی تو اس بنا پر یہ واقعہ رونما ہوا۔''

(۴) نیز اس مقام پر یہ چیز بھی اہل روایات ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حجر بن عدی وغیرہ کے قتل سے متعلق گفتگو ہوئی اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اظہار افسوس کرتے ہوئے اہل عذراء کے قتل کا ذکر کیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے امت کی اصلاح ان لوگوں کے قتل میں دیکھی اور ان کی بقا میں امت کا فساد معلوم کیا، اس بنا پر یہ معاملہ پیش آیا۔

تنبیہ

مذکورہ بالا روایت کے بعض مقامات پر مندرجہ ذیل کلمات کا اضافہ پایا جاتا ہے:

((فقالت سمعت رسول الله ﷺ يقول سيقتل بعذراء ناس بغضب الله لهم واهل السماء))[1]

''یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے عنقریب عذرا کے مقام پر بعض لوگ قتل کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اور آسمان والے ان کی وجہ سے غضبناک ہوں گے۔''

ناظرین کرام اس اضافہ کے متعلق یاد رکھیں کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کے متعلق تحریر کیا ہے کہ هذا اسناد ضعيف منقطع۔[2] یعنی یہ روایت راویوں کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے اور سلسلہ سند میں انقطاع پایا جاتا ہے۔ یہ اضافہ کئی مقامات پر دستیاب ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ناظرین کرام متنبہ رہیں کہ اصل روایت میں راویوں نے یہ جملہ الحاق کر کے اضافہ کر دیا ہے تاکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مزید تقبیح پائی جائے اور تنفر قائم رہ سکے۔

دیگر گزارش یہ ہے کہ اگر بالفرض مندرجہ روایت کو علیٰ سبیل التنزل درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اپنے فعل پر برملا معذرت کر دی تھی اور آں موصوفہ نے ان کی اس معذرت کو قبول فرما لیا تھا۔

((وفي رواية...... فلم يزل يعتذر حتى عذرته۔ وفي رواية فلما اعتذر اليها

---

۱ المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۳۲۰-۳۲۱ ج ۳ تحت سنہ ۵۱ھ

۲ البدایہ، ابن کثیر ص ۵۵ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (بحث ہذا)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عذرته))[1]

یہاں سے واضح ہے کہ اس طریقہ سے ان دونوں حضرات کا باہمی رنج و ملال ختم ہو گیا تھا اور یہ باہم کشیدہ خاطر نہیں رہے تھے۔

درایت کے اعتبار سے

کلام مذکور باعتبار روایت کے ذکر ہوا ہے۔ ذیل میں باعتبار درایت یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ اگر اہل عذرا کے قتل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اہل سماء ناراض ہیں (جیسا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت بالا میں مذکور ہے) تو پھر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اہل عذراء کے قاتلین (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حکام) کے ساتھ روابط اور مراسم کیسے جاری رکھے؟ جب کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے مغضوب تھے اور ظالم تھے اور حق سے تجاوز کرنے والے تھے۔

حضرت صدیقہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے تعلقات کے متعلق مستقل عنوان قائم کیے گئے ہیں اس کے تحت وہ مراسم مذکور ہیں۔ ہم بھی (ان شاء اللہ تعالیٰ) اس عنوان کو اسی تصنیف میں اپنے موقع پر ذکر کریں گے۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال کے بعد بھی ان سے تعلقات منقطع نہیں کیے اور بدستور سابق روابط قائم رکھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے وظائف وغیرہ جاری رہے اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا تا زیست یہ وظائف وصول فرماتی رہیں۔ مزید تفصیلات اپنے موقع پر درج ہوں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حاصل یہ ہے کہ حضرت صدیقہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی گفتگو سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بطور شکوہ کلام فرمایا اور اس واقعہ پر اظہار افسوس کیا لیکن اس قتل کو شرعاً ناجائز اور ظلم قرار نہیں دیا۔ یعنی ان کی خواہش تھی کہ حلم و بردباری کا برتاؤ کرتے ہوئے اہل عذرا کو معاف کر دیا جائے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ انھوں نے امت میں ایک بہت بڑے قتال کھڑے ہونے سے قوم کو بچانا ضروری سمجھا اور فساد کی بیخ کنی کرنے کو لازم جانا، اس بنا پر درگزر نہیں کیا۔

ایک شبہ کا ازالہ برائے قول حسن بصری تابعی رحمہ اللہ

اس مقام پر طعن کرنے والے احباب کی طرف سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے جس میں انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چند چیزوں کی بنا پر عیب لگایا ہے، ان میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو قتل کیا۔ وقتله حجرا ويلا له من

---

[1] البدایہ، ابن کثیر ص ۵۵ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (بحث ہذا)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حجر و اصحاب حجر مرتین۔[۱]

تو اس شبہ کے ازالہ کے متعلق ذیل میں بعض چیزیں ذکر کی جاتی ہیں، ان پر توجہ فرمائیں:

① گزارش یہ ہے کہ یہ روایت جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی گئی ہے اس کا راوی ابو مخنف (لوط بن یحییٰ) ہے اور لوط بن یحییٰ کٹر شیعہ اور رافضی ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ درجے کے مخالفین و معاندین میں سے ہے۔ فافہم

چنانچہ ابو مخنف نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے منسوب اس قول کو خود تصنیف کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''اربع خصال'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ان خصال میں سے ایک حجر بن عدی کا قتل ہے۔ فلہٰذا حسن بصری رحمہ اللہ سے منسوب روایت جس میں چار خصال کا بطور طعن ذکر کیا گیا ہے یہ قابل قبول نہیں۔

ابو مخنف لوط بن یحییٰ کے متعلق کتب رجال میزان الاعتدال (ذہبی) ولسان المیزان (ابن حجر) وغیرہ میں نقد و جرح موجود ہے ملاحظہ فرمائیں) اور کتاب مسئلہ اقربا نوازی وغیرہ میں ہم نے قبل ازیں یہ جرح درج کر دی ہے۔

② دوسری چیز یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جو قتال و حروب واقع ہوئے ہیں ان کے حق میں خود حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف سے امت کو نصائح موجود ہیں کہ ''ان حضرات کے ساتھ ہماری عقیدت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں کف لسان کریں اور عیب جوئی و نکتہ چینی سے زبان کو روک کر رکھیں۔''

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی یہ نصیحت بالفاظ ذیل مذکور ہے، ملاحظہ فرمائیں:

((وقد سئل الحسن البصری عن قتالهم فقال: قتال شهده اصحاب محمد ﷺ وغبنا، وعلموا وجهلنا واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا))[۲]

''یعنی جب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین قتال کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب ان واقعات میں خود حاضر اور شاہد تھے جب کہ ہم غائب تھے۔ انھیں ان واقعات کا براہ راست علم تھا اور ہم اصل حالات سے ناواقف ہیں۔ جن چیزوں پر ان کا اجماع ہوا ہم نے ان کی اتباع کی، اور جن امور میں ان کا اختلاف ہوا ہم ان میں متوقف ہیں (یعنی کف لسان کیے ہوئے ہیں)۔''

③ نیز اسی طرح ایک دیگر چیز حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ذہن نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی دینی عظمت کے قائل تھے۔

---

[۱] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۵۷ ج ۶ طبع قدیم تحت سنہ ۵۱ھ

[۲] تفسیر قرطبی ص ۳۲۲ ج ۱۶ تحت آیات سورۃ الحجرات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ اس طرح ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ بعض لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ معاویہ اور ان کی جماعت دوزخ میں جائے گی۔ یہ بات سن کر حسن بصری رحمہ اللہ نہایت برافروختہ ہو کر کہنے لگے کہ ایسے لوگوں پر خدا کی لعنت ہو، ان کو کس شخص نے بتلا دیا کہ وہ دوزخ میں ہوں گے۔ یعنی اس چیز کا علم انھیں کیسے ہو گیا اور کس طرح یہ فیصلہ انھوں نے کر لیا؟

((حدثنا قتادة عن الحسن قالت قلت يا ابا سعيد! ان ناسا يشهدون على معاوية وذويه انهم فى النار فقال لعنهم الله وما يدريهم انهم فى النار))[1]

حسن بصری رحمہ اللہ کے ان بیانات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف رجحانات نہیں رکھتے تھے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے کے روادار نہیں تھے۔ پس مذکورہ روایت جس میں اربعہ خصال کا طعن مذکور ہے وہ روایت حضرت حسن رحمہ اللہ کے دیگر واقعات اور بیانات کے خلاف پائی جاتی ہے، اس لیے اس کو صحیح نہیں سمجھا جا سکتا، حقیقت میں وہ ان کی طرف منسوب کی گئی ہے اور ان کا کلام نہیں ہے بلکہ بعض معاندین صحابہ نے ان کی طرف انتساب کر دیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس قول پر روایتاً اور درایتاً کلام کر دیا گیا ہے انصاف کے ساتھ اس پر غور فرماویں اور جو حق بات ہو اس کو قبول کریں۔

[1] مخطوطہ تاریخ ابن عساکر ص ۷۴۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمرو بن حمق کا قتل

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ طعن مشہور ہے کہ جس طرح انھوں نے دیگر لوگوں کو قتل کرایا اسی طرح عمرو بن حمق خزاعی کو بھی بلا جواز شرعی قتل کرا دیا تھا۔ ان کا سر کاٹ کر گشت کرایا گیا اور پھر اسے لا کر ان کی زوجہ کی گود میں ڈال دیا گیا۔ کسی کا سر کاٹ کر گشت کرانے کا طریق کار شرعاً صحیح نہیں ہے اور یہ جاہلیت کے دور کے طریقے ہیں۔

ازالہ

اس طعن کے ازالہ سے متعلق چند چیزیں قابل ذکر ہیں جنھیں معلوم کر لینے کے بعد مسئلہ کی صحیح صورت حال سامنے آ سکتی ہے۔

① عمرو بن حمق خزاعی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ صحابی تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اور بعض کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔

② مورخین نے یہ نقل کیا ہے کہ عمرو بن حمق ان لوگوں میں سے تھے جو چاہتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اب اس عمر میں خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ اس پہلو سے ان کا شمار مخالفین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں ہوتا ہے۔

③ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ حجر بن عدی کے ساتھیوں میں سے تھے اور ان کے مخالفانہ اقدامات میں برابر کے شریک تھے۔ ہم نے حجر بن عدی سے متعلق واقعات میں بھی ان کا ذکر مختصراً دے دیا ہے۔

④ زیاد بن ابیہ کے دور میں زیاد کے ساتھ ان کی مخالفتیں بڑے واضح طور پر مورخین نے ذکر کی ہیں۔ خلیفہ اسلام کے خلاف ان کی یہ شورشیں ہی ان کے مواخذے کا باعث بنیں۔ ابومخنف کی روایت اصابہ میں طبری سے بالفاظ ذیل نقل کی گئی ہے:

((وذکر طبری عن ابی مخنف انه کان من اعوان حجر بن عدی فلما قبض زیاد علی حجر بن عدی وارسله مع اصحابه الی الشام هرب عمرو بن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حمق))[۱]

''یعنی طبری نے ابومخنف کے ذریعے سے ذکر کیا ہے کہ عمرو بن حمق حجر بن عدی کے معاونین میں سے تھے۔ جب زیاد نے حجر بن عدی کو گرفتار کر کے اس کے ساتھیوں سمیت ان کو شام کی طرف بھیجا تو عمرو بن حمق فرار ہوگئے (اور موصل کے علاقے کی طرف نکل گئے)۔''

④ عمرو بن حمق کے متعلق علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش میں شریک تھے اور اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں اعانت کی تھی:

((وکان فی من سار الی عثمان واعان علی قتله))[۲]

اور بعض لوگوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ

((ومع هذا کان احد الاربعة الذین دخلوا علی عثمان...... وکان من جملة من اعان حجر بن عدی))[۳]

''یعنی عمرو بن حمق ان چار افراد میں سے ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے داخل ہوئے اور ان کے قتل پر اعانت کی۔''

مندرجہ بالا اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن حمق اس شورش میں شریک تھے اور ان لوگوں کو ان کا تعاون حاصل تھا لیکن وہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں شریک نہیں ہوئے۔ جیسا کہ محمد بن ابی بکر شورش اٹھانے والوں کے ساتھ تھے لیکن قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں شریک نہ تھے۔

⑤ پھر اس کے بعد یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ حجر بن عدی جب گرفتار کیے گئے تو ان کے ساتھیوں میں سے یہ عمرو بن حمق فرار ہو کر موصل کی طرف چلے گئے تھے۔ زیاد نے موصل کے عامل (عبدالرحمٰن بن عثمان ثقفی) کی طرف لکھا کہ عمرو بن حمق کو تلاش کر کے گرفتار کیا جائے۔ اس مقام پر اہل تاریخ کے دو قول پائے جاتے ہیں۔

اس باب میں بعض لوگوں نے یہ روایت بھی نقل کی ہے جو صحیح نہیں ہے کہ امیر موصل نے ان کو گرفتار کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کے متعلق احکامات حاصل کیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا کہ

---

۱ اصابہ (ابن حجر) ص ۵۲۶ ج ۲ تحت عمرو بن حمق

تہذیب التہذیب ص ۲۴ ج ۸ تحت عمرو بن حمق

تاریخ ابن خلدون ص ۲۴ ج ۳ تحت احوال زیاد و حجر بن عدی، طبع بیروت

۲ طبقات ابن سعد ص ۱۵ ج ۶ تحت عمرو بن حمق

۳ البدایہ (ابن کثیر) ص ۴۸ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نو نیزے لگائے تھے اس لیے انھیں بھی نو نیزے لگائے جائیں، اس سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔ چنانچہ حاکم موصل نے اس حکم کی تعمیل میں عمرو بن حمق کو نیزے لگوائے مگر آپ دوسرے نیزے کے لگتے ہی فوت ہوگئے۔

((فکتب فیه الی معاویة فکتب الیه معاویة انه زعم انه طعن عثمان تسع طعنات بمشاقص ونحن لا نعتدی علیه فاطعنه کذالك ففعل به ذالك فمات فی الثانیة))[1]

دیگر مورخین نے نقل کیا ہے کہ عمرو بن حمق فرار ہو کر علاقہ موصل کے ایک غار میں جا چھپے تھے۔ وہاں انھیں ایک بڑے سانپ نے ڈس لیا اور وہ وہاں اسی سے فوت ہوگئے۔''

یہ دوسری روایت زیادہ صحیح ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((قلت هذا اصح مما مر))[2]

''یعنی یہ بات کہ عمرو بن حمق کی موت سانپ کے ڈسنے سے ہوئی وہ قتل نہیں کیے گئے، زیادہ صحیح ہے۔''

اور ابن حبان رحمہ اللہ نے کتاب الثقات میں یہ واقعہ بالفاظ ذیل نقل کیا ہے کہ

((هرب الی الموصل فدخل غارا فنهشته حیة فقتله وبعث الی الغار فی طلبه فوجدوه میتا))[3]

اسی چیز کو دوسرے الفاظ میں علامہ ذہبی اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے یوں نقل کیا ہے:

((فهرب الی الموصل فبعث معاویة الی نائبها فوجدوه قد اختفی فی غار فنهشة حیة فمات))

ان الفاظ کے بعد البدایہ میں ہے کہ

((فقطع رأسه فبعث به الی معاویة))[4]

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں ان کی وفات کے لیے دو صورتیں منقول ہیں: یا تو موصل کے والی کے حکم سے سابقہ عوامل و اسباب (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش میں شرکت اور حجر بن عدی کی شورشوں

---

۱ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۵ ج ۲ تحت عمرو بن حمق
تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۴۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۱ ھ

۲ تاریخ اسلام (ذہبی) ج ۲ ص ۲۳۵ تحت عمرو بن حمق

۳ کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۲۷۵ ج ۳ تحت عمرو بن حمق

۴ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۵ ج ۲ تحت عمرو بن حمق
البدایہ (ابن کثیر) ص ۴۸ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شمول) کی بنا پر قتل کیے گئے، یا ان کو غار میں مختفی (پوشیدہ) ہونے کی صورت میں سانپ نے ڈس لیا اور ان کی وفات ہوگئی۔ پھر ان کا سر کاٹ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا گیا۔

⑥ ان کی وفات کی تاریخ بھی مورخین نے دو طرح ذکر کی ہے: بعض کے نزدیک ان کی وفات ۵۰ھ میں ہے، اور بعض ان کی وفات ۵۱ھ میں ذکر کرتے ہیں۔

ایک تشریح

سطور بالا میں عمرو بن حمق کی وفات کی جو صورتیں مورخین نے ذکر کی ہیں ان کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ مذکورہ دو صورتوں میں سے ایک صورت مورخین نے یہ لکھی ہے کہ عمرو بن حمق فرار ہو کر ایک غار میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک سانپ نے انھیں ڈس لیا جس سے ان کی موت واقع ہوگئی۔

بعض مقامات پر مزید لکھا ہے کہ اس کے بعد ان کا سر کاٹ کر حاکم موصل کے حکم سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا گیا۔ معترضین اور طعن کنندگان نے عمرو بن حمق کے سر کو گشت کرانے کی بڑی تشہیر کی ہے اور اسے اسلام کے خلاف قرار دیا ہے اور اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے ایک طعن پیدا کیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس موقع پر جب زیاد نے حاکم موصل کو عمرو بن حمق کو گرفتار کرنے کے لیے لکھا تو حاکم موصل نے چند افراد ان کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجے جنھوں نے انھیں غار میں مردہ پایا۔ ان افراد نے حاکم موصل کی تسلی اور حکم کی تعمیل کے بین ثبوت کے لیے ان کا سر کاٹ کر پیش کیا، پھر حاکم موصل نے خلیفہ وقت کی خدمت میں یہ سر شام بھیج دیا۔

((وذالك انه لدغ فمات فخشيت الرسل ان تتهم به فقطعوا رأسه فحملوه))[1]

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس مقام پر یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:

((قلت هذا أصح مما مر))

"اس کا حاصل یہ ہے کہ سانپ کے ڈسنے سے موت واقع ہونے کی روایت ان کے قتل کیے جانے کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔"

پھر یہ بھی ہے کہ ان کے کارندوں نے اپنی کارگزاری کو ظاہر کرنے کے لیے جو قطع راس کیا اور اسے حکام بالا کی طرف روانہ کیا، یہ ان کارندوں کا اپنا عمل اور اپنی تدبیر ہے اور یہ بات بہ نسبت دوسرے امور کے زیادہ صحیح ہے۔

---

[1] المعرفہ والتاریخ (یعقوب ابن سفیان بسوی) ص ۸۱۳ ج ۲
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۵ ج ۲ تحت عمرو بن حمق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مختصر یہ ہے کہ عمرو بن حمق کا قتل اور پھر ان کا سر کاٹ کر گشت کرانے کا طعن جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیا جاتا ہے صحیح نہیں، یہ صرف ان کارندوں کا ذاتی عمل تھا، جسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔اس کی حقیقت یہی کچھ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قطع راس کا کوئی حکم نہیں دیا۔قطع راس کا فعل دیگر ولاۃ اور حکام نے اپنی کارگزاری کا ثبوت پیش کرنے کے لیے از خود کیا تھا۔ کٹے ہوئے سر کا گشت کرانا، پھر اسے ان کی زوجہ کی گود میں لا ڈالنا وغیرہ وغیرہ رواۃ کی طرف سے اس واقعہ میں اضافہ جات ہیں جو داستان کو وحشت ناک اور رقت انگیز بنانے کے لیے بڑھائے گئے ہیں۔

مندرجات بالا کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن قائم کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اگر عمرو بن حمق قتل ہوئے تو ان کے قتل کے اسباب وعوامل (بغاوت کے) موجود تھے اور اگر سانپ کے کاٹنے سے ان کی موت واقع ہوئی ہے تو سر کاٹنے کا حکم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہی نہیں تھا، یہ تو حکام کا ذاتی فعل تھا جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یقیناً ان کی سرزنش کی ہوگی جو عام مورخین نے ذکر نہیں کی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ لا يلزم من عدم ذكر الشى عدم الشى۔فلہٰذا اس تنبیہ کا غیر مذکور ہونا اس کے انکار کی دلیل نہیں۔

دیگر گزارش یہ ہے کہ اگر بالفرض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ولاۃ و حکام سے اس موقع پر کوئی گرفت نہیں کی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حاکم وقت کو بعض حالات کے تحت ایسے جرائم کو معاف کرنے کا حق نہیں؟ اس نوع کے واقعات کا وقوع تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی مورخین نے ذکر کیا ہے جس میں ان کے حکام کی زیادتیوں اور تجاوزات پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوئی گرفت اور سرزنش کرنے کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

مثلاً جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ کو ایک دستہ فوج دے کر بسر بن ارطاۃ سے معارضہ کے لیے نجران بھیجا تو اس نے وہاں نجران والوں کو سخت سزائیں دیں حتیٰ کہ ان کے قریہ کو جلا ڈالا اور حامیان عثمان کو قتل کر دیا:

((فسار جارية (بن قدامة) حتى بلغ نجران فحرق بها وقتل ناسا من شيعة عثمان وهرب بسر وأصحابه فاتبعهم حتى بلغ مكة))[1]

اس طرح کے واقعات جانبین کے متعلق تاریخوں میں دستیاب ہوتے ہیں تاہم ان ہر دو حضرات (حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) پر ہماری طرف سے اعتراض کرنا صحیح نہیں۔ بطور حاکم انھیں

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مواخذہ کرنے اور درگزر کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خصوصی کارکن جاریہ بن قدامہ کی چند ایک زیادتیوں کے اجمالی حالات قبل ازیں ہم نے اپنی تالیف (سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) میں بعنوان ''بعض انتظامی امور'' کے ذکر کر دیے ہیں وہاں رجوع فرمالیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بھی ان ناروا و ناجائز کارروائیوں کے متعلق کوئی سزا یا کوئی سرزنش اہل تاریخ نہیں نقل کرتے۔ واللہ اعلم کیا حالات پیش آئے؟ کیا صورت احوال تھی؟ ناقلین نے واقعات کو کس رنگ میں نقل کیا؟ مختصر یہ ہے کہ تاریخی ''ملغوبات'' کے ذریعہ سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراضات وارد کرنا ہمارے لیے کسی طرح درست نہیں۔ ایسے مراحل میں ہمیں فرمان نبوی فراموش نہیں کرنا چاہیے:

((اللہ اللہ فی أصحابی لا تتخذوهم من بعدی غرضا))

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قطع ایدی (یعنی ہاتھ کاٹنے) کا طعن اور اس کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطاعن میں ایک خاص طعن یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بصرہ اور کوفہ پر زیاد بن ابیہ کو حاکم اور والی مقرر کیا تو زیاد نے اہل اسلام پر بے دریغ ظلم کیا اور ان کے لیے کئی مشکلات اور مصائب پیدا کر دیے چنانچہ طبری نے ایک واقعہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ مسجد کوفہ میں زیاد نے ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیا اور خطبہ کے دوران میں کچھ لوگوں نے اس پر کنکر پھینکے تو زیاد نے جوابی کارروائی کے طور پر مسجد کے دروازے بند کروا دیے اور جن لوگوں (بعض کہتے ہیں کہ وہ تیس آدمی تھے اور بعض کے قول کے مطابق وہ اسّی آدمی تھے) نے کنکر پھینکے تھے، ان کو گرفتار کروا لیا اور پھر سزا کے طور پر ان کے موقع پر ہی ہاتھ کٹوا دیے۔

((وأمرهم فأخذوا ابواب المسجد ثم قال ثم أمر بكرسى فوضع على باب المسجد فدعاهم اربعة اربعة يحلفون بالله ما منا من حصبك فمن حلف خلاه من لم يحلف حبسه وعزله حتى صار الى ثلاثين ويقال بل كانوا ثمانين فقطع أيديهم على المكان))[1]

اتنے بڑے ظالمانہ واقعہ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حاکم زیاد پر کوئی مواخذہ نہیں کیا اور کم از کم اس کو معزول تک نہیں کیا۔ یہ ظلم بالائے ظلم ہے۔

جواب

برائے جواب مندرجہ ذیل امور پر نظر فرمائیں، امید ہے اطمینان کا باعث ہو سکے گا:

① ابن جریر طبری نے ہاتھ کاٹنے کا واقعہ ۵۰ھ کے حالات میں ذکر کیا ہے۔ طبری کے متعلق علماء فرمایا کرتے ہیں کہ یہ ایک غیر ناقد مورخ ہے اور رطب و یابس، ضعیف وقوی، صحیح وسقیم ہر قسم کی روایات کو بغیر نقد کے جمع کر دیتا ہے۔ گویا کہ نقد وتنقید کا کام اس نے بعد میں آنے والوں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

نیز جس واقعہ کے متعلق دیگر مورخین اور قدیم مورخین کی طرف سے تائید یا موافقت نہیں پائی جاتی اس

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۳۱ ج ۲ تحت سنہ ۵۰ھ (ذکر ما کان فیہما من الاحداث)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں صرف طبری کے بیان پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ اور یہاں اس واقعہ میں اسی طرح کی صورت حال پائی جاتی ہے جیسا کہ ہم آیندہ سطور میں ذکر کر رہے ہیں۔

② اس مقام پر طبری کا شیخ عمر درج ہے اور اس کا شیخ علی مذکور ہے اور علی کا شیخ مسلمہ بن محارب ہے و واقعہ کا ناقل ہے۔ عمر سے معلوم نہیں کہ کون شخص مراد ہے؟ اسی طرح علی سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کون ہے؟ پھر علی اور مسلمہ کے درمیان لفظ ''عن'' ہے جس میں انقطاع کی گنجائش ہے۔

ایک طالب تحقیق اگر کوشش کر کے سیاق و سباق پر نظر ڈالے تو عمر سے عمر بن شبہ بنا سکتا ہے مگر عمر بن شبہ نامی متعدد اشخاص ہیں، یہاں پھر تعیین درکار ہے کہ یہاں عمر بن شبہ نامی کون شخص مراد ہے؟

اسی طرح علی کے متعلق جستجو کر کے قاری سیاق و سباق کے اعتبار سے علی بن محمد کہہ سکے گا۔ یہاں پھر علی بن محمد بے شمار رواۃ کے اسماء ہیں پھر اس کی تعیین کہ یہاں کون علی بن محمد مراد ہے، یہ بھی ایک مستقل مرحلہ ہے جو ناظرین کے لیے خاصے اشکال و اشتباہ کا موجب ہے۔

اس کے بعد علی نے واقعہ ہذا کو مسلمہ بن محارب سے لفظ ''عن'' کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں انقطاع کا احتمال ہے۔ جس کو رفع کرنا اور اتصال ثابت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ کوئی ماہر فن ہی اس کی عقدہ کشائی کر سکے گا۔

اس واقعہ کو ایسی سند کے ساتھ مورخ طبری نے نقل کیا ہے جس کو صاف کرنا قاری کے لیے اچھا خاصا پریشان کن مرحلہ ہے دوسری لطف کی بات یہ ہے کہ اگر ان رواۃ کی اس روایت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان کا کوئی متابع اور شاہد ان کے اپنے دور میں دستیاب نہیں ہوتا جو توثیق کا موجب بن سکے۔ فلہٰذا یہ اسناد اپنے واقعہ سمیت قابل قبول ہونے سے زیادہ قابل اشکال اور لائق اشتباہ ہے۔

③ اسناد کی تحقیق سے اگر صرف نظر کر لی جائے تاہم یہ بات قابل توجہ ہے کہ قطع ایدی کا مذکورہ واقعہ اولاً طبری نے ذکر کیا ہے اور پھر طبری سے نقل کرنے والے مورخین مثلاً ابن اثیر جزری وغیرہ نے طبری سے ہی نقل کیا ہے۔ ہماری ناقص جستجو کے مطابق دیگر قدیم مورخین اس مقام پر زیاد بن ابیہ کے ساتھ حجر بن عدی وغیرہ کے مناقشات ذکر کرتے ہیں لیکن زیاد کی طرف سے قطع ایدی کے واقعے کو نقل نہیں کرتے۔[1] حالانکہ اس

---

[1] مندرجہ ذیل قدیم مورخین اور متاخرین نے قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کے واقعہ کو نہیں نقل کیا مثلاً:

(۱) خلیفہ ابن خیاط رحمہ اللہ المتوفی ۲۴۰ھ نے اپنی تاریخ میں (سنہ ۵۰ھ کے تحت)

(۲) یعقوب بن سفیان بسوی رحمہ اللہ المتوفی ۲۷۰-۲۷۱ھ نے المعرفہ والتاریخ میں (۵۰ھ کے تحت)

(۳) علامہ ذہبی رحمہ اللہ المتوفی ۷۴۸ھ نے تاریخ اسلام میں (سنہ ۵۰ھ کے تحت)

(۴) ابن خلدون رحمہ اللہ المتوفی ۷۷۹ھ نے اپنی تاریخ میں (اس موقع کے واقعات کے تحت)

(۵) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ المتوفی ۷۷۴-۷۷۵ھ نے البدایہ والنہایہ میں (اس مقام کے واقعات کے تحت)

حاصل یہ ہے کہ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا واقعہ ان مورخین نے نہیں بیان کیا حالانکہ یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت سنگین صورت کا حامل ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے مورخین کو قطع ایدی کے اس واقعہ کو ذکر کرنا ایک ضروری امر تھا تاکہ زیاد کی زیادتیاں اور ظلم لوگوں پر واضح ہو سکیں۔

اسی طرح شیعہ کے قدماء مورخین مثلاً ابو حنیفہ دینوری نے اخبار الطوال میں احوال زیاد کے تحت، یعقوبی نے اپنی تصنیف تاریخ یعقوبی جلد ثانی کے تحت، مسعودی نے مروج الذہب جلد ثالث ایام معاویہ کے تحت وغیرہ نے بھی اس مقام پر زیاد کے واقعات کے تحت ''قطع ایدی'' کا واقعہ درج نہیں کیا حالانکہ یہ لوگ طعن کی چیزوں کو ذکر کرنے سے ہرگز گریز نہیں کرتے بلکہ طعن کو بنا سجا کر ثابت کرنا تو ان کا فرض منصبی ہے۔ فلہٰذا یہ بھی اس چیز پر قوی قرینہ ہے کہ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا واقعہ تاریخ طبری میں متفردانہ حیثیت رکھتا ہے اور طبری اس قسم کے کئی واقعات درج کرنے میں مشہور ہے۔

④ دیگر بات یہ ہے کہ اسی یا کم از کم تیس آدمیوں کے ہاتھوں کا کٹوا دیا جانا کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا جو ایک ملک میں خاموشی سے برداشت کر لیا جاتا اور خاص کر کوفہ اور اس کے ملحقہ قبائل اس پر کوئی شورش نہ کھڑی کر دیتے اور اس کے برخلاف آواز تک نہ اٹھاتے۔ یہ چیز بھی واقعہ کے بے اصل ہونے کا قرینہ ہے۔

⑤ یہ واقعہ بقول ابن جریر ۵۰ھ میں پیش آیا۔ اس دور تک بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ موجود تھے مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ، قیس بن سعد بن عبادہ، سعد بن ابی وقاص، حکیم بن حزام، ابوایوب انصاری، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، ام المومنین عائشہ صدیقہ، حسین بن علی، اسامہ بن زید، معقل بن یسار مزنی، عقیل بن ابی طالب، فضالہ بن عبید انصاری، سمرہ بن جندب وغیرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم

تو ان حضرات میں سے کسی صاحب نے قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور واقعہ پر نکیر نہیں کی۔ حالانکہ اس دور میں بعض لوگوں مثلاً حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اکابرین کی طرف سے اعتراض کیا جانا تاریخ میں دستیاب ہوتا ہے۔ فلہٰذا اس دور کے اکابر صحابہ کرام اور تابعین کی طرف سے واقعہ مذکورہ پر نقد و نکیر کا نہ ذکر کیا جانا بھی ایک مستقل قرینہ ہے کہ قطع ایدی (یعنی ہاتھوں کو کاٹنے کا واقعہ) بے اصل ہے اور اس وقت ایسا کوئی سنگین معاملہ رونما نہیں ہوا۔

⑥ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا یہ واقعہ اگر وقوع پذیر ہوا ہے تو عام عادت کے مطابق اس کی اطلاع دربار خلافت میں بھی پہنچی ہوگی۔ اور نہیں تو مظلومین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دادرسی کے لیے لازماً درخواست کی ہوگی۔ اور ایک خلیفہ عادل[1] اور شرعی احکام کے متبع امیر المومنین سے ہرگز یہ توقع نہیں

---

[1] سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۶۲۴، ۶۳۴ ج ۱، تحت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور اعمش رحمہ اللہ کا بیان (تالیف مصنف کتاب ہذا)

مسئلہ اقربا نوازی، تالیف مصنف کتاب ہذا، ص ۱۵۴، ۱۵۵ تحت عنوان حضرت سعد و اعمش کی شہادت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی جا سکتی کہ وہ ایسے ظالمانہ فعل کے پائے جانے پر خاموش رہیں اور معزولی کی سزا یا کم از کم سرزنش کا کوئی حکم صادر نہ فرمائیں حالانکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب اس قسم کے واقعات پیش آئے ہیں تو ان کے متعلق باز پرس یا معزولی ہوتی رہی ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل واقعات موجود ہیں:

① بصرہ پر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حاکم تھے۔ وہاں اہل بصرہ کی طرف سے فساد کھڑا ہوا اور اس علاقے کی فضا مخالفین کی طرف سے فاسد بننے لگی۔ اس سلسلے میں ابن عامر رضی اللہ عنہ اپنی نرمی طبع کی وجہ سے کوئی موثر کارروائی نہ کر سکے اور شر و فساد کو دبانے میں ناکام رہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی ولایت سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ حارث بن عبداللہ ازدی کو والی مقرر فرمایا۔[1]

② نیز اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن غیلان والی بصرہ کی طرف سے قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا ایک واقعہ پیش آیا تھا (جس کی تشریح اپنی جگہ پر ذکر ہوگی ان شاء اللہ) تو اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مظلوم کو بیت المال سے دیت ادا کر دی اور عبداللہ بن عمرو بن غیلان کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ عبیداللہ بن زیاد کو والی مقرر فرمایا۔[2] مگر ہاتھ کاٹنے کے اس واقعہ کے تحت صورت حال یہ ہے کہ ہماری معلومات کی حد تک اس دور کے اکابر مورخین زیاد کے اس ظلم پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مواخذے کا ذکر تک نہیں لائے۔ فلہٰذا یہ چیز بھی واقعہ ہذا کے بے اصل ہونے کی طرف نشان دہی کرتی ہے۔

(۷) نیز یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ زیاد کی طبعی صلاحیت اور جبلی فراست اور تدبیر سیاست کے بھی یہ واقعہ برعکس پایا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے کبار علمائے فن کی طرف سے اس کے حق میں بحث استلحاق زیاد کے تحت تبصرے و تجزیے درج کر دیے ہیں کہ یہ شخص حسن سیاست اور حسن تدبیر میں ضرب المثل تھا اور وافر دانش کا حامل تھا۔ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا واقعہ تو ایک جذباتی قسم کے آدمی اور مغلوب الغضب فطرت والے انسان کا فعل ہو سکتا ہے جسے انجام و نتائج کی کچھ فکر نہ ہو۔ لیکن عواقب و ثمرات پر نظر رکھنے والے مدبر شخص سے ایسے فعل کا سرزد ہونا تدبیر سیاست کے خلاف ہے۔

خارجیوں کے حق میں سخت گیری

البتہ تاریخ کی کتابوں میں زیاد بن ابیہ کے رجحانات کے بارے میں اتنی چیز ملتی ہے کہ وہ ''خوارج''

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۲۱ ج ۶ تحت سنہ ۴۴ھ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۷ ج ۸ تحت سنہ ۴۴ھ

[2] البدایہ (ابن کثیر) ص ۷۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۵ھ
تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۶۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۵ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حق میں نہایت سخت گیر حاکم تھا۔ جیسا کہ مورخ طبری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ

((ان زیادا اشتد فی أمر الحروریة بعد قریب وزحاف فقتلهم وامر سمرة (بن جندب) بذالك وكان يستخلفه على البصرة إذا خرج الى الكوفة فقتل سمرة منهم بشرا كثيرا))[1]

''یعنی قریب و زحاف کے بعد حروریہ (خوارج) کے معاملے میں زیاد بہت سخت گیر تھا۔ اس نے خوارج کو قتل کیا اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو بھی اس بات کا حکم تھا۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے بھی کثیر خوارج کو قتل کیا۔''

یہ بات واضح ہے کہ حروریہ اور خوارج جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے اسی طرح یہ لوگ حضرت عثمان غنی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے حق میں بھی شدید ترین عناد اور کینہ رکھتے تھے۔ چنانچہ زیاد بن ابیہ کے متعلق تشدد و سخت گیری کی جو کارروائیاں لوگ ذکر کرتے ہیں وہ عام طور پر حروریہ اور خوارج کے فرقوں کے متعلق ہیں۔ ان لوگوں کی جماعتی قوت توڑنے کے لیے زیاد نے اپنے حلقہ اثر میں سرتوڑ کوشش جاری رکھی۔

مختصر یہ ہے کہ زیاد کی کارگزاری انتظامی معاملات میں مصلحت پر مبنی تھی۔ جس طرح وہ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظام خلافت کو درہم برہم کرنے والوں سے سختی سے پیش آتا تھا اسی طرح وہ خوارج کے ساتھ بھی سخت گیری کا معاملہ کرتا تھا۔ لیکن ہاتھ کاٹنے کا واقعہ زیاد کی تدبیر حکمرانی کے برعکس ہے۔ ایسے امور سے رعایا حکام سے متنفر ہوتی ہے۔

ان امور پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ درست نہیں۔

⑧ اسی سلسلے میں ایک اور واقعہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جو اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ زیاد بن ابیہ سے ہاتھ کاٹنے کا وقوع بعید از قیاس ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں زیاد نے بصرہ کی سابقہ مسجد میں بہت کچھ اضافہ کیا اور اس کی پختہ عمارت تعمیر کرائی، ساگوان کی لکڑی سے مسجد کی چھت کو مسقّف کیا اور دارالامارۃ کو سابقہ جگہ سے منتقل کر کے مسجد سے ملحق اس طرح تعمیر کرایا کہ حاکم وقت مسجد کے محراب میں قبلہ کی طرف سے آسانی کے ساتھ امامت کے لیے داخل ہو سکے۔ اور اس تبدیلی مکان کی وجہ یہ بیان کی کہ:

((قال لا ينبغي لإمام ان يتخطى الناس فحول دار الإمارة من الدهناء الى قبلة

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۳۳ ج ۶ تحت سنہ ۵۰ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المسجد فکان الإمام یخرج من الدار فی الباب الذی فی حائطة القبلة))[1]

''یعنی امام اور حاکم وقت کے لیے مناسب نہیں ہے کہ لوگوں کی گردنوں پر سے قدم پھلانگ کر گزرے۔ پس دارالامارۃ کو سابقہ مقام سے منتقل کر کے مسجد کے قبلہ کی طرف قائم کیا تا کہ امام اپنے مکان سے خارج ہو کر مسجد کی محراب میں آسانی سے داخل ہو سکے۔''

یہاں قابل توجہ یہ چیز ہے کہ زیاد بن ابیہ نے ایک شرعی مسئلہ "نھی عن تخطی رقاب الناس" کی رعایت کرتے ہوئے دارالامارۃ کو منتقل کر دیا اور ایذاء المسلمین سے اجتناب کی تدبیر اختیار کی۔

ایک ایسا شخص جو ''تخطی رکاب الناس'' سے اجتناب کرتا ہے وہ اتنے کثیر مسلمانوں کی بلا وجہ ایذا رسانی کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہے؟

مختصر یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی ہاتھ کاٹنے کے واقعہ کے بے اصل ہونے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

واقعہ ''قطع ایدی'' کے متعلقہ چند اشیاء ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کی ہیں اور ساتھ ہی واقعے کے بے اصل ہونے پر چند قرائن ذکر کر دیے ہیں تا کہ قارئین کو اس پر غور کرنے اور صحیح صورت حال سے آگاہی کا موقع میسر آئے اور وہ خود ایک صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں۔

مختصر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مذکورہ بالا قرائن کی روشنی میں یہ واقعہ بے اصل نظر آتا ہے نیز اس کے حق میں شواہد و متابع نہیں پائے جاتے جو اس کی صحت کے لیے موید ثابت ہوں۔ واقعہ کو صرف طبری کا مذکور اسناد کے ساتھ درج کر دینا قابل اعتماد نہیں ہے اور اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن تجویز کرنا صحیح نہیں ہے۔ جن لوگوں نے طبری کی روایت پر یقین کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کیا ہے انھوں نے نہایت ناانصافی کی ہے۔

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۵۵ تحت تمصیر البصرة۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قطع ید کا ایک دوسرا طعن

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ طعن بھی قائم کیا جاتا ہے کہ ان کے حکام شرعی احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی تھی۔ دوسرے الفاظ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ولاۃ و حکام کو قانون سے بالاتر قرار دے رکھا تھا اور ان سے خلاف شرع فعل سرزد ہونے پر کوئی مواخذہ نہیں کرتے تھے۔ دلیل میں مندرجہ ذیل روایت طعن کرنے والے بطور حوالہ پیش کرتے ہیں:

((خطب عبدالله بن عمرو بن غيلان على منبر البصرة فحصبه رجل من بني ضبة...... فأمر به فقطعت يده))[1]

"یعنی عبداللہ بن عمرو بن غیلان ایک دفعہ بصرہ کے منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ بنی ضبہ کے ایک شخص نے کنکر دے مارا۔ عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے اس شخص کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔"

جب بنی ضبہ نے یہ معاملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بطور استغاثہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے عمال سے قصاص لینے کی کوئی صورت نہیں لیکن اگر تم چاہو تو دیت ادا کی جا سکتی ہے۔

جواب

اس طعن کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ توجہ سے ملاحظہ فرمائیں:

اس طعن کا دارومدار روایت مذکور بالا پر ہے۔ فلہٰذا اس روایت پر پہلے باعتبار سند کے کلام پیش کیا جاتا ہے، اس کے بعد متن روایت کے اعتبار سے چند چیزیں پیش کی جائیں گی۔

روایت کے اسناد

اصل یہ روایت تاریخ طبری میں ہے اور دیگر مورخین طبری سے ناقل ہیں اور روایت کی سند اس طرح ہے:

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۶۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۵ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((حدثنی عمر قال حدثنا ولید بن هشام وعلی بن محمد و اختلفا فی بعض الحدیث قالا خطب عبدالله بن عمرو بن غیلان...... الخ))

روایت ہذا کے اسناد میں عمر سے مراد غالباً عمر بن شبہ ہے عمر بن شبہ کو ولید بن ہشام اور علی بن محمد نے بیان کیا، پھر ان دونوں میں متن روایت کے متعلق تھوڑا سا اختلاف ہے۔ پھر یہ دونوں کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے خطبہ دیا۔

مطلب یہ ہے کہ ولید اور علی بن محمد نے یہ تمام واقعہ نقل کیا اور ہماری جستجو کے مطابق علی بن محمد سے مراد ابوالحسن علی بن محمد المدائنی ہے جو ۱۳۵ھ میں پیدا ہوا اور اس کی وفات ۲۱۵ھ، ۲۲۴ھ، ۲۲۵ھ علیٰ اختلاف الاقوال اہل تراجم نے ذکر کی ہے۔ جب کہ واقعہ مذکور حسب قول مورخ طبری ۵۵ھ میں پیش آیا تھا۔

فلہٰذا راوی (مدائنی) کی ولادت اور واقعہ کے وقوع پذیر ہونے میں کم از کم اسّی سال کا ایک طویل عرصہ ہے۔ اسی طرح ولید بن ہشام، ابوالحسن علی بن محمد کا ہم عصر و ہم زمان ہے اور ۵۵ھ کے اس واقعہ کو نقل کرنے میں علی بن محمد کے ساتھ شریک ہے۔ واقعہ مذکورہ اور ان راویوں کے درمیان عرصہ دراز کا فاصلہ پایا جاتا ہے اس بنا پر یہ روایت اہل علم کی اصطلاح میں منقطع ہے اور انقطاع بھی ایک طویل عرصہ پر مشتمل ہے جس میں کم از کم دو یا تین راوی پائے جا سکتے ہیں جو سند ہذا میں غیر مذکور ہیں۔ واللہ اعلم وہ کس قسم کے اور کس حیثیت کے افراد تھے اور نظریاتی طور پر وہ کس طبقہ سے وابستہ تھے؟ ایسے انقطاع والی روایت قابل اعتماد و اعتبار نہیں اور نہ اس نوع کی روایات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کرنا درست ہے۔

مفہوم روایت

پھر سند کی بحث سے اگر صرف نظر بھی کر لیا جائے تو متن روایت کی روشنی میں واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عمرو بن غیلان منبر بصرہ پر خطبہ دے رہے تھے۔ قبیلہ بنی ضبہ کے ایک شخص نے کسی بات پر عبداللہ کو کنکر مار دیا تو عبداللہ بن عمرو نے بقول مورخین اس شخص کے قطع ید کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کے بعد بنوضبہ قبیلہ کے لوگ اس سلسلے میں حاکم مذکور کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے آدمی نے جنایت اور قصور کیا لیکن آپ نے اس پر سخت سزا دے دی یعنی ہاتھ کٹوا دیا۔ ہم اس بات سے بے خوف نہیں ہیں کہ اس معاملے کی اطلاع امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچے گی پھر ان کی جانب سے سزا کا حکم عموماً یا خصوصاً جس صورت میں آ سکتا ہے۔ ان حالات میں اگر امیر وقت مناسب خیال فرمائیں تو ہمیں ایک تحریر لکھ دیں کہ یہ ایک مشتبہ صورت میں ہاتھ کاٹنے کا واقعہ پیش آیا ہے اور اس کا معاملہ واضح نہیں تھا۔

اس نوع کی تحریر عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھ دی۔ بنوضبہ نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریر حاصل کر کے اپنے پاس محفوظ کر لی۔ سال یا چھ ماہ کے بعد وہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا معاملہ استغاثہ کی صورت میں حاکم بصرہ کے خلاف پیش کیا اور کہا کہ ہمارے ایک شخص کا ہاتھ حاکم عبداللہ نے ظلماً کاٹ دیا ہے اور یہ اس کی اپنی تحریر آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر ملاحظہ فرمائی اور واقعہ معلوم کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: موجودہ صورت میں عمال سے قصاص کی کوئی صورت نہیں ہے لیکن اپنے ساتھی کے لیے دیت اگر تم چاہو تو ہم ادا کر سکتے ہیں۔ انھوں نے ہاتھ کی دیت (یعنی عوضانہ) حاصل کرنے کو اختیار کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے اس کی دیت ادا کر دی (اور اس غلطی کی پاداش میں) اپنے حاکم عبداللہ کو اس کے منصب سے معزول کر دیا۔

((فاتته بنوضبة فقالوا ان صاحبنا جنى ما جنى على نفسه وقد بلغ الأمير فى عقوبة ونحن لا نأمن ان يبلغ خبره امير المؤمنين فياتى من قبله عقوبة تخص او تعم فان رأى الامير ان يكتب ان كتابا يخرج به احدنا الى امير المؤمنين يخبره انه قطعه على شبهة وامر لم يضح فكتب لهم بعد ذالك الى معاوية فقالوا يا امير المؤمنين انه قطع صاحبنا ظلما وهذا كتابه اليك وقرأ الكتاب فقال اما القود من عمالى فلا يصح ولا سبيل اليه ولكن ان شئتم وديت صاحبكم قالوا فده فوداه من بيت المال وعزل عبدالله))[1]

مطلب یہ ہے کہ پیش آمدہ صورت ایک مشتبہ صورت تھی اور غیر واضح تھی جسے عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے اپنے خط میں تحریری طور پر تسلیم کیا تھا۔ اس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ استغاثہ والوں کو قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کا عوضانہ (بطور دیت کے) بیت المال سے دلوایا ہے اور اپنے ماتحت حاکم کو اس غلطی کی بنا پر منصب سے معزولی کی سزا دے دی۔ یہ ایک جائز فیصلہ ہے، اس میں دونوں فریق کو ملحوظ رکھا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ الزام کہ انھوں نے اپنے والیوں اور حکام کو قانون سے بالاتر قرار دے رکھا تھا اور خود ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کیے ہوئے تھے، بالکل بے جا اور بے وزن ہے اور قلبی عناد پر مبنی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ طعن پیدا کرنے والی اصل روایت اہل فن کے نزدیک جس درجے کی ہے وہ

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۷۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۵ھ طبع اول مصر
تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۶۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۵ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناظرین نے ملاحظہ کر لی ہے کہ واضح الانقطاع ہے۔ اس نوع کی روایت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن تجویز کرنا، پھر اس کو صحیح تسلیم کرنا فن کے قواعد کے برعکس ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کینہ ور آدمی ہی اسے باور کر سکتا ہے۔

نیز تاریخی روایات میں جو مواد فراہم کیا جاتا ہے اس کے لیے بڑے مراحل ہوتے ہیں۔ اصل واقعہ کچھ ہوتا ہے نقل کرنے والے اسے کچھ سے کچھ بنا کر نقل کرتے ہیں۔ پھر یہ نقل در نقل باعتبار روایت بالمعنی کے چلتی رہتی ہے اور اس کی تعبیریں بدلتی رہتی ہیں۔ آخر کار مولف کتاب اسے اپنی عبارت کے ساتھ تعبیر کرتا ہے۔ ان تمام تغیرات کو پیش نظر رکھ کر واقعات کو جانچنا چاہیے اور مقام صحابہ اور ان کے کردار کو سامنے رکھنا چاہیے۔ جو چیز ان کی شان دیانت کے موافق ہو اسے قبول کرنا چاہیے اور جو چیزیں ان کی دیانت و امانت کے برعکس ہوں ان کو ترک کر دینا چاہیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر زہر خورانی کا طعن اور مقدام بن معدی کرب والی روایت کا جواب

قارئین کرام پر واضح رہے کہ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کا بذریعہ زہر خورانی واقع ہونا بعض مورخین اور مولفین نے ذکر کیا ہے لیکن تمام محدث اور تمام مورخ اس کے وقوع کے قائل نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ مسلم الکل اور متفق علیہ امر نہیں ہے۔ مثلاً تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ بغداد (خطیب) وغیرہ میں زہر خورانی کے واقعہ کا کوئی ذکر تک نہیں پایا گیا۔ پھر جو حضرات اس زہر خورانی کے واقعہ کو ذکر کرنے والے ہیں ان میں بعض ایسے حضرات ہیں (مثلاً حاکم فی المستدرک اور ابن حجر فی الاصابہ) جنھوں نے امام موصوف کو زہر دیا جانا تو ذکر کیا ہے مگر زہر دینے والے کا نام ندارد، نہ ان کی بیوی کی طرف نسبت کی ہے نہ کسی دوسرے شخص کی جانب اس چیز کو منسوب کیا ہے۔

اور بعض مورخ ایسے ہیں جنھوں نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور اس کی نسبت براہ راست حضرت موصوف کی زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی کی طرف کی ہے اور کسی شخص کو ساتھ نہیں ملایا (مثلاً ابن اثیر جزری نے التاریخ الکامل میں)، البتہ بعض حضرات ایسے بھی ہیں کہ زہر خورانی کی نسبت حضرت کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کی طرف کرنے کے بعد "قالت طائفہ" کے الفاظ سے یا ذکر او یقال (یعنی ایک گروہ کہتا ہے یا کہا جاتا ہے) کے لفظوں سے اس بات کو اپنے ہاں درج کرتے ہیں (مثلاً ابن عبدالبر فی الاستیعاب وغیرہ) کہ یہ معاملہ اس عورت نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارہ کی بنا پر کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نہیں بلکہ یزید بن معاویہ کے کہنے پر اس نے کیا ہے۔

اس معاملے میں انصاف کے ساتھ غور وخوض کرنے کے لیے چند چیزیں ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں، ناظرین حضرات توجہ سے ملاحظہ فرمائیں اس سے یہ طعن صاف ہو جائے گا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں مطعون کرنے کا جواب مکمل ملے گا۔

جواب

مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حالت دگرگوں ہوگئی تو ان کے بھائی (حضرت حسین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہ) نے دریافت کیا کہ جناب کو کس نے زہر دیا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کیوں دریافت کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ آپ کے دفن سے قبل ہی اللہ کی قسم اس کو قتل کر دیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ برادر عزیز! اس بات کو ترک کر دیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں فیصلہ ہو گا۔ الغرض اس کا نام بیان کرنے سے انکار کر دیا۔[1]

مطلب یہ ہوا کہ اگر زہر خورانی کا واقعہ درست بھی ہے تو بھی واقعہ میں موجود حضرات اور عینی شاہدوں کو زہر دلانے والے کا علم بالکل نہ ہو سکا۔ اسی بنا پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کسی پر یہ الزام قائم نہ کر سکے اور سزا دینے کی کوئی صورت سامنے نہ آ سکی۔

اس قریب تر دور گزر جانے کے بعد رواۃ پر یہ کس طرح منکشف ہوا کہ زہر دلانے والے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں؟ اور شام میں یہ سازش تیار کی گئی اور وہاں سے مدینہ میں لا کر اس پر عمل درآمد کرایا گیا۔ طعن تیار کرنے والوں کے ہاں اس چیز پر کوئی دلیل نہیں ہے یہ خالص بدگمانی ہے۔ عام مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی کرنا درست نہیں (ان بعض الظن اثم) پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدظنی کرنا تو بالکل جائز نہیں۔

اس مقام پر ذیل میں چند امور ذکر کیے جاتے ہیں، ان کی طرف نظر غائر فرمائیں:

① ایک گزارش تو یہ ہے کہ جن مصنفین نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر اس معاملہ میں کیا ہے انھوں نے بغیر دلیل اور بغیر حجت کے ہی ذکر کر ڈالا ہے اس واقعہ کی خاطر کوئی باسند صحیح روایت انھوں نے ذکر نہیں کی۔ چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کے مصنفین ایک واقعہ کو (جو ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں گزرا ہے) بلا سند صحیح اور بلا دلیل قوی ذکر کر دیں، اس کو بغیر تحقیق و تفتیش کے تسلیم کر لینا قواعد مسلمہ اور درایت صحیحہ کے برعکس ہے۔

② دوسری عرض یہ ہے کہ زہر خورانی کے معاملے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کچھ دخل نہیں ہے یہ چیز ان کی جانب تاریخی روایات غیر صحیحہ کی بنا پر بعض غالی رواۃ نے نسبت کر دی ہے پھر اس دور کے بعد والے ناقلین نے چشم پوشی کرتے ہوئے نقل در نقل کو اپنی تصنیفات میں جاری رکھا ہے۔ امیر شام موصوف کی اس معاملے میں براءت آج ہم پندرھویں صدی میں بیٹھ کر نہیں پیش کر رہے بلکہ آج سے صدیوں قبل محققین علماء نے اس تراشیدہ الزام کی خوب تردید فرما دی ہے، چشم بصیرت کی ضرورت ہے۔

ابن تیمیہ حرانی (المتوفی ۷۲۸ھ)، علامہ ابن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ)، ابن خلدون (المتوفی ۸۰۸ھ) اور حافظ ذہبی وغیرہ رحمہم اللہ اکابر علماء کی اس بارے میں جو تصریحات ملتی ہیں ان میں سے چند ایک یہاں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۳ ج ۸ تحت حالات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ منہاج السنۃ میں علامہ ابن تیمیہ حرانی رحمہ اللہ نے مذکورہ مسئلہ پر بحث کی ہے اس میں سے چند جملے نقل کیے جاتے ہیں:

((واما قوله ان معاوية سم الحسن فهذا مما ذكره بعض الناس ولم يثبت ذالك ببينة شرعية او إقرار معتبر ولا نقل يجزم به وهذا مما لا يمكن العلم به فالقول به قول بلا علم))[۱]

"مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے زہر دیے جانے کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کیا ہے۔ یہ چیز دلیل شرعیہ سے ہرگز ثابت نہیں ہے اور نہ کسی اقرار معتبر سے اور نہ کسی نقل یقینی سے ثابت ہے۔ یہ تو ایسی بات ہے کہ جس کے ساتھ یقین کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ پس ایسی بات کو تسلیم کر لینا تو ایک چیز کے ساتھ بلا دلیل یقین کرنا ہوگا اور یہ کسی حال میں درست نہیں ہے۔"

۲۔ اور ابن کثیر رحمہ اللہ کی تحقیق اس مسئلے میں یہ ہے کہ

((وعندى ان هذا ليس بصحيح وعدم صحة عن ابيه معاوية بطريق الاولى والاخرى))[۲]

"یعنی ابن کثیر کہتے ہیں کہ (یزید کا امام حسن رضی اللہ عنہ کی زوجہ کو زہر خورانی کے متعلق کہلا بھیجنا) میرے نزدیک تو یہ بھی صحیح نہیں ہے اور اس کے والد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ گمان کرنا تو بطریق اولیٰ درست نہیں ہے۔"

۳۔ اور مورخ ابن خلدون رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تاریخ ابن خلدون جلد دوم میں بالتصریح لکھا ہے کہ:

((وما ينقل ان معاوية رس اليه السم مع زوجته جعدة بنت اشعث بن قيس فهو من احاديث الشيعة وحاشا لمعاوية من ذالك))[۳]

"یعنی یہ بات جو نقل کی جاتی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے پوشیدہ طور پر جعدہ بنت اشعث کے واسطہ سے زہر دلوایا تھا، یہ شیعہ لوگوں کی روایات ہیں۔ اللہ کی پناہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن اس داغ سے صاف ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیانت دارانہ اخلاق سے یہ بات بہت بعید ہے۔"

۱۔ منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۲۲۵ ج ۲

۲۔ البدایہ (ابن کثیر) ص ۴۳ ج ۸ تحت تذکرہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ

۳۔ تاریخ ابن خلدون ص ۱۱۳۹ ج ۲ طبع بیروت تحت بیعۃ الحسن وتسلیمہ الامر لمعاویہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تاریخ اسلام جز ثانی میں اس مسئلے کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ

((وقالت طائفة كان ذالك بتدسيس معاوية اليها وبذل لها على ذالك وكان لها ضرائر۔ قلت هذا شيء لا يصح فمن الذى اطلع عليه))[1]

''یعنی ایک طائفہ نے یہ قول کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زہر دینے کی سازش کی اور حیلہ کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر زر صرف کیا اور حسن کے لیے سوکنیں تھیں (ان کے ذریعے سے یہ معاملہ کیا)۔ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل صحیح نہیں بلکہ غلط ہے۔ اس معاملے پر کون مطلع ہوسکا؟''

مختصر یہ ہے کہ ان تمام مشہور علماء نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف زہر خورانی کی نسبت کو غلط قرار دیا ہے اور اس کی تردید کر دی ہے۔

③ شیعہ مورخ کا ایک بیان

اس سلسلے میں شیعہ کے اکابر مورخین کا مزید ایک ضروری بیان ہم ناظرین کی خدمت میں ذکر کرتے ہیں جس سے مذکورہ طعن کی حقیقت خوب واضح ہو جائے گی۔

ابوحنیفہ احمد بن داود دینوری شیعی (صاحب اخبار الطّوال) نے اپنی تصنیف ہذا میں ذکر کیا ہے کہ

((ولم ير الحسن ولا الحسين طول حياة معاوية منه سوء فى انفسهما ولا مكروها ولا قطع عنهما شيئا مما كان شرط لهما ولا تغير لهما عن بر))[2]

''یعنی حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں بزرگوں نے اپنی ذات کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت میں ان سے کوئی بری بات اور مکروہ چیز نہیں دیکھی۔ جو شرائط معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ طے کی تھیں معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا ایفا کیا، ان کو ضائع نہیں کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو احسان اور بہتر سلوک ان کے حق میں جاری کیا ان کو تبدیل نہیں کیا۔''

شیعہ اکابر کے ان واضح بیانات نے مسئلے کو صاف کر دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے ساتھ مدت العمر کوئی بدسلوکی اور برائی نہیں کی۔ تو پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلانے کا قصہ کیسے صحیح ہوا؟

یاد رہے کہ یہ دینوری ۲۸۲ھ کا متوفی ہے، بہت قدیم پختہ شیعہ مورخ ہے۔ اس کے بیانات شہادت دیتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ زہر دلانے کی بدخواہی اور بدسلوکی قطعاً اختیار نہیں کی۔ یہ سب بعض اخباری شیعوں کے افسانے ہیں۔ دینوری کا مذکورہ حوالہ قبل ازیں اپنی کتاب مسئلہ اقربا

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۹ ج ۲ تحت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما طبع مصر۔

[2] اخبار الطّوال (ابوحنیفہ احمد بن داود دینوری شیعی) ص ۲۲۵ بحث معاویہ و عمرو بن عاص طبع قاہرہ مصر۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوازی ص ١٩٤ پر درج شدہ ہے یہاں مسئلہ ہذا کی وضاحت کے لیے دہرایا گیا ہے۔

④ نیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف زہر خورانی کی نسبت درایت کے اعتبار سے بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات (جو ٤٩ھ میں واقع ہوئی تھی) کے بعد ملک شام میں متعدد غزوات پیش آئے۔ ان غزوات میں بہت سے ہاشمی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرات شامل ہوتے رہے۔ خصوصاً امام حسن رضی اللہ عنہ کے سگے برادر سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما ان غزوات میں شامل ہوئے۔

چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ

((ولما توفى الحسن كان الحسين يفد الى معاوية فى كل عام فيعطيه ويكرمه وقد كان فى الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد فى سنة احدى و خمسين))[1]

"یعنی جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہو چکے تو اس کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ہر سال تشریف لے جاتے پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا اکرام کرتے اور انھیں عطایا دیتے تھے۔ چنانچہ ٥١ھ میں غزوہ قسطنطنیہ پیش آیا تو اس جیش میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ شریک ہوئے جب کہ یزید بن معاویہ امیر جیش تھا۔"

یہ غزوات جن میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر ہاشمی حضرات شامل ہوئے ہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیش آئے۔ ہاشمی حضرات کا ان غزوات میں شریک و شامل ہونا اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ زہر خورانی کا طعن مذکور جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ قطعاً غلط ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

قبیلہ کے اکابر اور اقارب کو جن لوگوں نے قتل کیا ہو، ان لوگوں کے ہمراہ غزوات میں شرکت نہیں کی جا سکتی اور ان لوگوں سے عطایا اور وظائف وصول نہیں کیے جا سکتے۔ کیونکہ یہ چیزیں ان حضرات کی عزت نفس اور فطری غیرت کے برخلاف ہیں۔

⑤ یہاں یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کثرت ازدواج میں شہرت رکھتے تھے چنانچہ اس چیز کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قال على يا اهل العراق او يا اهل الكوفة لا تزوجوا حسنا فانه رجل مطلاق...... قال على ما زال الحسن تزوج ويطلق حتى حسبت ان يكون

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ١٥٠-١٥١ ج ٣ تذکرہ خروج الحسین الی العراق وکیفیۃ مقتلہ
تہذیب تاریخ ابن عساکر، ص ٣١١ ج ٤ تذکرہ حسین ابن علی رضی اللہ عنہما

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عداوۃ فی القبائل))[1]

''یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے عراق والو! کوفہ والو! حسن کو تزویج مت کر دو کیونکہ یہ بہت طلاق دینے والے آدمی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حسن بیاہ کرتے ہیں اور پھر طلاق دے دیتے ہیں حتیٰ کہ مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ چیز قبائل میں عداوت کا باعث بن جائے گی۔''

اور مختلف مزاج خواتین اور متنوع طباع ازواج سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سابقہ پڑا اور عموماً عورت کم فہم اور کج فطرت ہوتی ہے اس کی ناعاقبت اندیشی اور احسان فراموشی محتاج بیان نہیں۔ عورت جب کسی معاملے میں خاوند کے ساتھ ضد پر اتر آتی ہے تو وہ عواقب و نتائج کو برطرف کر کے سب کچھ کر گزرتی ہے (الا ما شاء اللہ)۔

پھر خصوصاً ایسے مواقع جہاں ضرائر (سوکنوں) کے درمیان حسد و بغض کی آگ بھڑک اٹھی ہو یہ خار و خلش بعض اوقات پورے قبیلے اور خاندان کی بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ یہاں بھی قرین عقل و دانش یہی بات ہے کہ زہر خورانی کا واقعہ اگر فی الواقع درست ہے تو بلاشبہ امام مرحوم کے لیے ان سوکنوں کے آپس میں تحاسد و تباغض اور کینہ و عداوت نے یہ مصیبت عظمیٰ پیدا کر ڈالی جس کی وجہ سے حضرت موصوف جانبر نہ ہو سکے۔ اس معاملے کو کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرنا قیاس و قرائن کے بالکل خلاف ہے۔ اور یہ ایک واقعہ کے قوی قرائن اور اسباب کو پس پشت ڈال کر خیالات واہیہ اور محتملات رکیکہ کو پیش نظر رکھنا انصاف پسند اور عقل مند حضرات کے نزدیک صحیح نہیں۔

نیز یہ بات بھی قابل تامل ہے کہ ان اکابر ہاشمی حضرات کے خانگی انتظام میں اتنا تساہل پایا جائے اور اتنی بے ضابطگی ہو کہ ان کے اہل خانہ کی خواتین کے ساتھ کسی مخالف و معاند کی طرف سے رابطہ قائم ہو اور وہ ایسے خطرناک و مہلک معاملے تک رسائی پیدا کر لے، یہ چیز بہت مشکل ہے اور ان حضرات کے دیانتدارانہ طرز معاشرت کے برعکس ہے اور ان کے بے داغ کردار کو داغدار بنانے کے مترادف ہے۔ فلہٰذا اہل خانہ کے سوا کسی غیر آدمی کی طرف زہر خورانی کی نسبت کرنا کسی صورت میں درست نہیں۔

۵ گزارشات بالا کے اختتام پر ایک اور چیز عرض کرنا ہم مناسب خیال کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ مشہور قول کے موافق سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ۴۹ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی تھی۔ جب ان کا جنازہ تیار ہوا تو جنازہ کی نماز اس وقت کے مدینہ کے والی سعید بن عاص اموی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی (جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ کے حاکم تھے) اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو نماز

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۵۴ ج ۵ باب من کرہ الطلاق من غیر ریبۃ طبع دکن۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنازہ پڑھانے کے لیے مقدم کیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ طریقہ (حاکم کا نماز جنازہ پڑھانا) مسنون نہ ہوتا تو میں تمھیں مقدم نہ کرتا۔

((كان اميرا على المدينة فقدمه الحسين للصلوة عليه وقال لو لا انها السنة لما قد منك))[1]

جنازہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

مختصر یہ ہے کہ اگر زہر خورانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھی تو پھر ان ہاشمی حضرات نے اموی حاکم سے امام مرحوم کے جنازہ پڑھوانے کی کس طرح پیش کش کر دی؟ بلکہ ان کو تو جنازے میں شامل بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ زہر خورانی کا قصہ ایک مدت دراز کے بعد راویوں نے تصنیف کر کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کر دیا ہے اور یہ نسبت بالکل غلط ہے (جیسا کہ اوپر کی گزارشات میں ذکر کیا گیا)

حاصل یہ ہے کہ اس وقت کے ہاشمی اکابر کے اقوال و اعمال سے کسی طرح بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ان کے نزدیک اس فعل شنیع کے ارتکاب کرنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ گزارشارت بالا پر نظر کرنے سے ایک صاحب بصیرت آدمی واقعہ ہذا کی صحت و سقم کو خوب سمجھ سکتا ہے۔ البتہ زیغ عن الحق کا کوئی علاج نہیں ہے۔

---

1. اسد الغابہ (ابن اثیر) ص ۱۵ ج ۲ تحت حسن بن علی رضی اللہ عنہما
مقاتل الطالبین (ابو الفرج اصفہانی شیعی) ص ۵۱ جز اول آخر تذکرہ امام حسن۔ طبع بیروت
المعرفہ والتاریخ (یعقوب بن سفیان بسوی) ص ۲۱۶ ج ۱ تحت ۲۴۱ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفات حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت اور اس کا جواب

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ اور دیگر شرکائے مجلس موجود تھے اس وقت حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر آ چکی تھی چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خبر شرکائے مجلس کو دی تو مقدام رضی اللہ عنہ نے کلمہ استرجاع (انا للہ وانا الیہ راجعون) کہا۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا تم اسے مصیبت خیال کرتے ہو کہ کلمہ استرجاع کہا ہے؟ مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس کو مصیبت کیوں نہ تصور کروں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی گود میں بٹھایا اور فرمایا: هذا منی و حسین من علی۔ وہاں قبیلہ بنی اسد کا ایک شخص بیٹھا تھا اس نے کہا: جمرة اطفاءها الله۔ مقدام رضی اللہ عنہ یہ سن کر ناراض ہو گئے اور کہا کہ میں تمھیں غضبناک کروں گا اور ایسی باتیں سناؤں گا جنھیں تم مکروہ جانتے ہو (یہ روایت کا ابتدائی حصہ ہے)۔

اور روایت ہذا کے آخری حصہ میں بھی قابل اعتراض چیزیں مذکور ہیں (جیسا کہ ذکر آ رہا ہے)۔ اس تمام روایت سے معترض لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف متعدد طعن تیار کرتے ہیں مثلاً:

① حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصیبت شمار کرنے پر تعجب کا اظہار کیا، گویا کہ ان کے نزدیک وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مصیبت نہیں تھی بلکہ اچھی چیز اور مطلوب تھی۔

② روایت ہذا میں مقدام رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ "هذا منی و حسین من علی" یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اتنی گراں قدر ہستی تھے کہ ان کے حق میں یہ ارشاد نبوی موجود ہے۔

③ نیز ایک اسدی شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اطفاء جمرة (انگارہ بجھ جانے سے) تعبیر کیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی گرفت نہیں کی۔

④ ان حالات میں مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور انھوں نے ممنوع اشیاء کے ارتکاب کا طعن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ چیزیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر خوشی تھی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ایک مصیبت ختم ہوگئی اور فتنہ فرو ہوگیا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اشیائے ممنوعہ کے ارتکاب میں ملوث تھے جس طرح کہ مقدام رضی اللہ عنہ نے ان چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

جواب

یہ روایت جو مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے راویوں نے ذکر کی ہے اور یہاں سے چند قابل اعتراض چیزیں مرتب کی ہیں اس کے متعلق ذیل میں کلام کیا جاتا ہے جس کی اجمالاً ترتیب درج ذیل ہے:

پہلے روایت ہذا کی سند پر کلام ہوگا، اس کے بعد وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو مصیبت شمار کرنے پر تعجب کے مسئلے پر گفتگو ہوگی، پھر حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے جو حدیث منقول ہے اس پر اختصاراً بحث ہوگی، اور آخر میں اشیائے ممنوعہ کے ارتکاب کے جواب کی وضاحت درج ہوگی (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

سند پر کلام

پہلی چیز یہ ہے کہ صحت اعتراض کے لیے یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ وہ روایت جس سے اعتراض قائم کیا گیا ہے وہ فی الواقع صحیح سند سے ثابت ہو۔ اگر وہ صحیح سند سے ثابت نہیں تو اسے اعتراض کی بنیاد بنانا بے محل اور بے جا ہے اور اس کا جواب پیش کرنا ضروری نہیں رہتا۔ ذیل میں سند پر کلام کیا جاتا ہے:

اس روایت کے راویوں میں ایک شخص بقیہ بن ولید ہے اس کی توثیق بھی ذکر کی گئی ہے لیکن اس پر متعدد علمائے رجال نے جرح وتنقید کر دی ہے جو درج ذیل ہے۔ الجرح مقدم علی تعدیل ہوتی ہے فلہذا اس کے بعد اس کی یہ روایت قابل استدلال نہیں اور اس کو تسلیم کرنا مشکل ہے۔

بقیہ بن ولید کے متعلق علمائے تراجم نے لکھا ہے کہ:

((فاذا قال عنه فليس بحجة...... قال ابو حاتم...... لا يحتج به قال ابو مسهر احاديث بقية ليست نقية فكن منها على تقية...... قال ابن خزيمة لا احتج ببقية))[1]

مذکورہ بالا کوائف سے مزید یہ بات ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((قال البيهقي في الخلافيات اجمعوا على ان بقية ليس بحجة))[2]

یعنی جب بقیہ بن ولید اپنے شیخ سے روایت کو عن سے ذکر کرے تو وہ حجت نہیں۔ (جیسا کہ روایت

---

[1] میزان الاعتدال (ذہبی) ج اتحت بقیہ بن ولید

[2] تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۴۷۸ ج اتحت بقیہ بن ولید

الکامل (ابن عدی) ص ۵۰۴ ج ۲ تحت بقیہ بن ولید

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش کردہ میں بقیہ عن بجیر مذکور ہے)۔

- ابو حاتم کہتے ہیں کہ بقیہ قابل حجت نہیں۔
- ابو مسہر کہتے ہیں کہ بقیہ کی روایات صاف نہیں ان سے بچ کر رہنا چاہیے۔
- ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ میں بقیہ کی روایات کے ساتھ حجت نہیں پکڑتا۔
- اور بیہقی نے خلافیات میں ذکر کیا ہے کہ علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ بقیہ قابل حجت اور قابل استدلال نہیں۔

اور اس روایت پر نقد قبل ازیں کبار علماء (حافظ منذری و خطابی وغیرہ) فرما چکے ہیں چنانچہ اس کے تحت مختصر سنن ابی داود (منذری) میں ذکر کیا ہے کہ وفی اسنادہ بقیہ بن الولید وفیہ مقال[1] لہذا روایت بالا اعتراض کے مقام پر لائق استدلال نہیں اور اس کے ذریعے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کرنا صحیح نہیں۔

وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خبر پر گفتگو

نیز یہ چیز قابل غور ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع پانے پر حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے انا للہ کہا تو وہاں ایک شخص (یا بقول معترض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ تم اس کو مصیبت شمار کرتے ہو؟ یہ کلام نہایت عجیب ہے جب کہ شریعت اسلامی میں جب کوئی مصیبت پہنچے تو کلمہ استرجاع کہنے کی ہدایت موجود ہے۔ فرمان خداوندی ہے: اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اور احادیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ اقدس میں چراغ گل کیا گیا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ استرجاع فرمایا۔ اہل خانہ نے عرض کیا کہ کیا یہ کوئی مصیبت ہے جس پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ استرجاع ارشاد فرمایا ہے؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کے دل پر جو چیز بھی ناگوار گزرے وہ مصیبت ہے۔ (او کما ذکر فی الحدیث)

ایک دیگر ارشاد نبوی ہے کہ جب کسی شخص کے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ کلمہ استرجاع پڑھے فلیسترجع فانہ من المصائب کیونکہ یہ بھی ایک مصیبت ہے (او کما ذکر فی الحدیث)۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو مصیبت قرار دینے یا نہ قرار دینے کی گفتگو بہت قابل تعجب ہے۔ کیا یہ حضرات موت فوت کے احکام شرعی سے نابلد تھے؟ یا ان امور سے واقف ہونے کے باوجود ان پر عمل درآمد کرنے سے قاصر تھے؟

ان چیزوں کے علاوہ یہ مسئلہ توجہ کے قابل ہے کہ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ والی مذکورہ روایت میں اس واقعہ کا جو رنگ پایا جاتا ہے وہ دوسرا ہے اور کئی عجائبات کا حامل ہے۔ لیکن حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کا یہی واقعہ دیگر روایات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی

---

[1] مختصر سنن ابی داود (منذری) ص ۷۰-۱۷ ج ۲ تحت حدیث مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجودگی میں پیش آیا وہ دوسری طرح ہے۔ یعنی وہاں کوئی منکر کلمات یا ناروا گفتگو نہیں ہے بلکہ عام دستور کے مطابق تعزیت کی خبر ذکر کی گئی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تعزیت کا جواب احسن طریق سے ارشاد فرمایا جیسا کہ ان اکابر کی شان دیانت اور اوصاف شرافت کے موافق ہے۔ چنانچہ اس امر پر ذیل میں حوالہ جات پیش خدمت ہیں، ان پر نظر غائر فرمائیں۔ دقت نظر اور صحت فکر سے کام لے کر اس کا تجزیہ کریں کہ صحیح واقعہ کس طرح ہے؟

① ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس مقام پر واقعہ ہذا کے متعلق ذکر کیا ہے کہ

((فلما جاء الكتاب بموت الحسن بن على اتفق كون ابن عباس عند معاوية و عزاه فيه باحسن تعزية و رد عليه ابن عباس ردا حسنا كما قدمنا))[1]

"یعنی جناب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات کی خبر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچی تو اتفاق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس موجود تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں اس خبر پر عمدہ طریقہ سے تعزیت کی اور پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہتر کلام کے ساتھ تعزیت کا جواب دیا۔"

اس واقعہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تعزیت کا مسئلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جس طرح پیش آیا وہ ان کے اخلاق حمیدہ کے موافق ہے اور یہی ان حضرات کی شان دیانت کے مطابق ہے اور حضرت مقدام رضی اللہ عنہ والی مذکورہ روایت میں منکر اور ناپسندیدہ الفاظ کے ساتھ جو گفتگو پائی جاتی ہے وہ درست نہیں اور راویوں کے تصرفات سے خالی نہیں۔

② نیز اس موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں تعزیت کے کلمات ذکر کرنے کے بعد مزید کلام کرتے ہوئے کہا:

((قال معاوية يا عجبًا للحسن بن على! شرب شربة عسل يمانية بماء رومة فقضى نحبه ثم قال لابن عباس لا يسوك الله ولا يحزنك فى الحسن بن على فقال ابن عباس لمعاوية لا يحزننى الله ولا يسؤنى ما أبقى الله امير المؤمنين قال فاعطاه الف الف درهم وعروضا واشياء وقال خذها فأقسمها فى أهلك))[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۴ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۸ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر (قلمی) ص ۷۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا جناب حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کی وفات بھی قابل تعجب ہے کہ انھوں نے شہد کا شربت نوش فرمایا جو شہد یمانی کے ساتھ آب چاہ رومہ[۱] کو ملا کر تیار کیا گیا تھا اور اس سے آپ کا انتقال ہو گیا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کی وفات پر اللہ تعالیٰ آپ کو مصیبت اور برائی سے محفوظ رکھے اور غم سے بچائے۔ جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو باقی اور سلامت رکھیں کہ آپ کے ہوتے ہمیں کوئی مصیبت اور غم نہیں پہنچے گا۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دس لاکھ درہم نقد اور مزید سامان اور مختلف اشیاء دیں اور کہا کہ یہ آپ قبول کر لیجیے اور اپنے اہل و عیال میں تقسیم کر دیجیے۔''

مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر جب پہنچی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود بھی تعزیت کی جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا ہے اور پھر ایک دوسرے وقت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بھیجا۔ یزید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں حاضر ہو کر بڑے بہتر طریقے سے عمدہ کلمات کے ساتھ تعزیت پیش کی اس فعل پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی قدر دانی کی اور شکریہ ادا کیا۔

((وبعث معاوية ابنه يزيد فجلس يدى ابن عباس وعزاه بعبارة فصيحة وجيزة شكره عليها ابن عباس))[۲]

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو افسوس ناک خبر ہی قرار دیا اور حسب دستور شرعی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہما کی خدمت میں خود بھی تعزیت کی اور اپنے فرزند یزید کو بھی تعزیت و اظہار افسوس کے لیے روانہ کیا۔

یہ اس واقعہ کی ایک شکل ہے۔ اور اس موقع کی دوسری صورت حال وہ ہے جو حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ والی روایت میں مجروح و مقدوح راوی نے نقل کی ہے (اور طعن کرنے والوں نے اسے بڑا اچھالا ہے) امید ہے کہ انصاف پسند حضرات ان دونوں صورتوں میں سے اس چیز کو درست قرار دیں گے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شایان شان ہے اور ان کی دیانت و شرافت کے مطابق ہے۔

متن روایت کی نکارت

اس کے بعد یہ چیز بھی لائق توجہ ہے کہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے جو روایت (هذا منى و حسين من

۱۔ بیر رومہ مدینہ شریف میں ایک کنواں تھا جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خرید کر اہل مدینہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔

۲۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۴ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۸ ج ۸ تحت ترجمہ یزید بن معاویہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علی) منقول ہے اس کے متعلق علماء فرماتے ہیں کہ اس میں لفظاً و معناً نکارت پائی جاتی ہے یعنی یہ روایت معروف روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس پر درج ذیل کلام کیا ہے کہ:

((وقال بقية عن بجير بن سعيد عن خالد بن معدان عن المقدام بن معدی كرب قال سمعت رسول الله ﷺ: "الحسن منى والحسين من على" فيه نكارة لفظا و معنا))[1]

روایت ہذا کے ایک راوی بقیہ بن ولید کے متعلق سابقاً ذکر کر دیا گیا ہے کہ وہ ضعیف اور مجروح ہے اور استدلال و استناد کے لائق نہیں فلہٰذا اس بنا پر ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس موقع کی عام روایات میں جو حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے حق میں موجود ہیں ان میں دونوں حضرات کا جناب نبی اقدس ﷺ کی دختر طاہرہ کے نسب مبارک سے ہونے کی تصریحات صحیحہ مروی ہیں پھر یہاں یہ فرق کرنا کہ حسن مجھ سے ہیں اور حسین علی سے ہیں یہ امتیاز عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اور ان دونوں حضرات کے لیے جو فضائل صحیح روایات میں دستیاب ہوتے ہیں وہ بالکل درست ہیں۔ ان میں یہ تفریق اور یہ امتیاز مفقود ہے۔ اس مقام پر ایک دیگر چیز بھی قابل توجہ ہے کہ نبی اقدس ﷺ سے یعلی بن مرہ عامری مرفوعاً ذکر کرتے ہیں کہ آنجناب ﷺ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کرتے ہوئے ان کی تقبیل فرمائی (یعنی ان کو چوما) اور ارشاد فرمایا:

((حسين منى وانا من حسين، اللهم احب من احب حسينا، حسين سبط من الأسباط))[2]

''مطلب یہ ہے کہ حسین مجھ سے ہیں (میری اولاد سے ہیں) اور میں حسین سے ہوں (میرا اور حسین کا نسبی تعلق ہے۔ میں نانا ہوں) اے اللہ! جو حسین سے محبت رکھے تو اس کے ساتھ محبت فرما اور حسین نواسوں میں سے نواسے ہیں۔''

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۶ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ ذکر وفات حسن بن علی رضی اللہ عنہما
الفتح الربانی ترتیب مسند احمد ج ۲۳ تحت الباب الرابع وفات امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما (روایت نمبر ۳۶۵)

[2] کتاب فضائل الصحابہ (امام احمد) ۷۷۲ روایت ۱۳۶۱ تحت فضائل حسنین شریفین رضی اللہ عنہما
الاحسان بترتیب الصحیح (ابن حبان) ص ۵۹ ج ۱۰ تحت ذکر اثبات محبۃ اللہ للحسین بن علی رضی اللہ عنہما
مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۱ بحوالہ ترمذی (تحت مناقب اہل بیت)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ روایت متعدد محدثین نے باسند ذکر کی ہے مثلاً امام احمد اور امام ترمذی اور ابن حبان وغیرہ رحمہم اللہ۔ اسی طرح حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے فضائل میں ایک ذخیرہ روایات دستیاب ہوتا ہے ان میں سے صحیح مواد پر نظر کرنے سے علی العموم زیر بحث روایت مذکورہ (ھذا منی و حسین من علی) کی تائید نہیں پائی جاتی۔

فلہٰذا ہماری جستجو کی حد تک اس روایت کا دوسرا متابع اور شاہد نہیں پایا گیا تو قواعد کی رو سے یہ روایت معروف روایات کے خلاف ہونے کی بنا پر منکر ہوئی (جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تصریح ماقبل میں ذکر کر دی گئی ہے کہ اس میں نکارت پائی جاتی ہے اور منکر روایت قابل قبول نہیں ہوتی)۔

اطفاء جمرۃ

روایت ہذا میں ایک شخص اسدی کا قول حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیا گیا ہے (جمرۃ اطفاءھا اللہ) یہ اسدی کون شخص ہے؟ واللہ اعلم کس مزاج کا آدمی ہے؟ بظاہر یہ ہے کہ یہ شخص حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کے خلاف ذہن رکھتا ہے اور اس کے ان کلمات سے اس کی عداوت قلبی ظاہر ہے۔ اگر اس واقعہ کو تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیا جائے تو اس کا یہ قول ناروا اور قبیح ہے۔

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض قائم کرنا کہ انھوں نے اسدی کے اس قول پر مواخذہ نہیں کیا، یہ محض احتمال کے درجے میں ہے۔ خدا جانے اس وقت کیا صورت احوال تھی اور کیا کچھ وہاں پوری گفتگو ہوئی؟ اور کس قدر ناقلین نے نقل کی اور کس قدر ترک کر دی؟

نیز ہر فرد کے شخصی رجحانات الگ الگ ہوتے ہیں اور ہر شخص واقعات میں ایک دوسری رائے رکھتا ہے جس پر دیگر شخصیات کا کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر گرفت اور مواخذہ کیا ہو اور ناقلین رواۃ نے اسے ذکر نہیں کیا۔ اور عدم ذکر الشی سے ذکر عدم الشی لازم نہیں آتا۔ اس کے آخر میں اس امر کا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو محدثین نے دیگر مقام پر بھی ذکر کیا ہے لیکن وہاں نہ اسدی مذکور ہے اور نہ یہ کلمہ (جمرۃ اطفاءھا اللہ) منقول ہے۔ یہاں سے راویوں کے تصرفات کا اندازہ ہو سکتا ہے کسی راوی نے یہ جملہ مذکورہ اعتراض والی روایت میں اضافہ فرما دیا ہو کہ اعتراض کی بحث گرم رہے اور سلسلہ طعن جاری رہے۔ فافہم۔

ممنوع اشیاء کے ارتکاب کا طعن

معترض دوست روایت مذکورہ کے آخری حصے سے یہ اعتراض تجویز کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ پہنچے (اور کچھ دوسرے ساتھی بھی ان کے ساتھ تھے)۔ گفتگو کے دوران میں مقدام رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں یہ چیز ذکر کی کہ سونے اور حریر (ریشم) کے پہننے اور جلود سباع کے استعمال سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا یا نہیں؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیزوں کے استعمال سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی منع فرمایا ہے اس کے بعد مقدام رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ

((فو الله لقد رأيت هذا كله فى بيتك يا معاوية))

''یعنی اللہ کی قسم! یہ تمام چیزیں میں نے آپ کے گھر میں دیکھی ہیں۔''

تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ میں تمھارے اعتراض سے نہیں بچ سکوں گا۔

معترض اس روایت سے یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا ہر سہ اشیاء کا استعمال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کرتے تھے جن کے استعمال سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ گویا شرعی احکام کے خلاف ان کا طرز عمل تھا اور منہیات کے مرتکب تھے۔

اس چیز کے جواب کے لیے معروضات ذیل پیش خدمت ہیں ان کی طرف توجہ فرمائیں:

① روایت ہذا کی سند پر سابقاً کلام کر دیا ہے کہ یہ مجروح ہے اگر سند پر جرح کرنے سے صرف نظر کر لی جائے تب بھی دوسری یہ بات قابل غور ہے کہ یہی روایت اسی سند کے ساتھ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''السنن الکبریٰ'' میں نقل کی ہے لیکن اس میں وہ تمام الفاظ جو بنائے اعتراض ہیں (قال فو الله لقد رأيت هذا كله فى بيتك يا معاوية فقال معاوية قد علمت انى لن انجو منك يا مقدام) نہیں پائے جاتے۔

یہاں سے رواۃ کی طرف سے روایت میں تصرف پائے جانے کی نشاندہی ہوتی ہے اور راوی کی جانب سے روایت میں اضافہ کا سراغ ملتا ہے۔

② نیز یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حمص کے مقام پر خطبہ دیا اور خطبے میں آپ نے ذکر کیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اور منع فرمایا ہے میں ان کو تمھارے ہاں پاتا ہوں اور ان کے ارتکاب سے تمھیں منع کرتا ہوں۔ وہ چیزیں یہ ہیں:

((النوح والشعر والتصاوير والتبرج وجلود السباع والذهب والحرير))[1]

مذکورہ ممنوعہ اشیاء کی منع کی روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دیگر کئی مقامات پر بھی نقل کی گئی ہے۔

③ مثلاً محدث نسائی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب سنن نسائی (کتاب اللباس باب تحریم الذهب علی الرجال) میں اپنی سند کے ساتھ ابو شیخ ہنائی کے ذریعے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی متعدد روایات ذکر کی ہیں جس میں مذکور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجاز (مکہ و مدینہ) میں خطبات دیے، ان خطبات میں یہ مسئلہ ذکر کیا

---

1 مسند احمد بن حنبل ص ۱۰۱ ج ۴ تحت مسندات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
مسند احمد بن حنبل ص ۹۲ ج ۴ تحت مسندات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۲۷۷ ج ۳ باب ما نُهی عن المراکب
مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۶ ج ۸ تحت کتاب العقیقہ طبع کراچی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اے مہاجرین و انصار! تمھیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر اور ریشم کے لباس سے منع فرمایا ہے؟ حاضرین نے کہا کہ بے شک اسی طرح ہے پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا سونے کے پہننے سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ بے شک منع فرمایا ہے۔

اور بعض روایات کے اعتبار سے اس کلام کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انا اشھد یعنی میں بھی اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ بات بالکل اسی طرح ہے۔

((اخبرنا ابوشیخ الھنائی قال سمعت معاویة وحوله ناس من المهاجرين والانصار وقال لهم اتعلمون ان رسول الله ﷺ نهى عن لبس الحرير قالوا اللهم نعم قال ونهى عن لبس الذهب الا مقطعا قالوا نعم))[1]

تو یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان اشیاء کے ارتکاب سے منع کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نقل کرنے والے ہیں تو پھر وہ خود ان امور کے کیسے مرتکب ہو سکتے ہیں؟ درآں حالے کہ نصوص قطعی ان کے پیش نظر تھیں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ

اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کو ان اشیاء کے استعمال کی منع تو معلوم تھی لیکن انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا اور ان امور کے مرتکب ہوئے تو یہ چیز بہت مشکل ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دیانت اور مقام عدالت سے بعید ہے اور ان کے کردار و اخلاق کے خلاف ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرعی احکام کے پابند تھے اور شریعت پر عمل کرنے والے تھے یہ چیزیں غلط طور پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ اس نوع کی روایات مقام صحابہ کو مجروح نہیں کر سکتیں اور ایسی روایات قابل اعتبار نہیں اور محدثین نے یہاں ایک قاعدہ ذکر کیا ہے اس کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے گا:

((فانا مامورون بحسن الظن بالصحابة ونفى كل رذيلة عنهم واذا انسدت الطرق (طرق تاويلها) نسبنا الكذب الى الرواة))[2]

''یعنی امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھنے اور ہر عیب کی چیز سے نفی کرنے کے ہم مامور ہیں اور جب تاویل و توجیہ کے طریقے مسدود ہو جائیں تو ہم جھوٹ اور دروغ کی نسبت راویوں کی طرف کر دیں گے۔''

فلہٰذا ان قواعد کے پیش نظر مذکورہ قسم کی طعن پیدا کرنے والی روایات ہرگز قبول نہیں ہو سکتیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار ان کے پیش نظر مجروح نہیں ہو سکتا اور اسلام کی اس نامور شخصیت کے دامن کو ان چیزوں سے داغدار نہیں کیا جا سکتا۔

---

1. سنن نسائی ص ۲۴۲ ج ۲ باب تحریم الذہب علی الرجال، کتاب اللباس طبع دہلی

2. شرح مسلم شریف (امام نووی) ج ۲ باب حکم الفئی (تحت الجہاد والسیر) بحوالہ مازری۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استلحاق زیاد کا مسئلہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر جو مطاعن طعن کرنے والوں کی طرف سے وارد کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک مشہور طعن ''استلحاق زیاد بن سمیہ'' ہے۔ یعنی زیاد بن سمیہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ لاحق کر کے نسبی برادر قرار دیا۔ اور یہ ''استلحاق'' خاص سیاسی مصالح کے لیے کیا گیا تھا اور یہ امر شرعی قواعد کے برخلاف تھا۔

ازالہ

اس مسئلے کی وضاحت کے لیے ہم چند امور بطریق ذیل پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے مسئلہ ہذا کی اصل صورت حال واضح ہو جائے گی:

① زیاد بن ابیہ کے ذاتی کوائف (نام، کنیت، خاندان، ولادت، وفات وغیرہ)

② زیاد کی لیاقت وصلاحیت اور اکابرین امت کا اس کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنا۔

③ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں واقعہ استلحاق اور تصویر مسئلہ کے دو پہلو۔

① یہ شخص زیاد بن ابیہ کے نام سے مشہور ہے جو بعد میں زیاد بن ابی سفیان کے نام سے پکارا گیا۔ اور عبید مولیٰ ثقیف کے فراش پر اس کا تولد ہوا تھا اس لیے اس کو زیاد بن عبید بھی کہا گیا اسے اپنی والدہ کی نسبت سے زیاد بن سمیہ بھی کہہ دیتے تھے۔ اس کی ماں کے نام کے سلسلے میں متعدد اقوال مورخین ذکر کرتے ہیں اس کی والدہ کا نام سمیہ بنت ابی بکرہ بتایا جاتا ہے اور اس کی والدہ کا ایک دوسرا نام اسماء بنت اعور بھی بعض مورخین نے لکھا ہے۔ زیاد کی کنیت ابومغیرہ تھی۔

عام الفتح میں طائف کے مقام پر اس کی ولادت ذکر کی گئی ہے اور بعض مورخین نے اس کی ولادت عام الہجرت بھی بتائی ہے۔ زیاد کے والدہ کی طرف سے ایک مشہور اخیافی بھائی ابوبکرہ ہیں جن کا نام (نفیع بن مسروح) بتایا جاتا ہے ان کی ماں کا نام سمیہ بنت ابی بکرہ ہے بیان کرتے ہیں کہ یہ اہل اسلام کے محاصرہ طائف کے دوران میں مسلمان ہوئے۔

زیاد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۵۳ھ یا عند البعض ۵۴ھ میں فوت ہوا[1] اور وہ اس

[1] تاریخ یعقوبی شیعی ۲۳۵ ج ۲ تحت وفات حسن بن علی رضی اللہ عنہما

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ وکوفہ پر امیر تھا۔ اہل تراجم نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ زیاد بن سمیہ صحابی نہیں ہے۔ (حوالہ جات کے لیے درج ذیل کتب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے)[1]

(۲) اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ زیاد کے لیے صحبت نبوی حاصل نہیں اور نہ اس سے کوئی مرفوع روایت مروی ہے لیکن یہ شخص فطری طور پر نہایت قابل، باصلاحیت اور فصیح اللسان تھا۔ تدبیر سیاست میں بہترین رائے رکھتا تھا اور عمدہ انتظامی صلاحیتوں کا حامل تھا۔ چنانچہ عہد علوی میں ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی اہلیت کے پیش نظر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ رائے پیش کی تھی کہ زیاد پختہ رائے رکھتا ہے اور سیاسی امور میں ماہر ہے اس بنا پر اس کو فلاں فلاں علاقے کا والی بنایا جائے۔

((فاستشار علی الناس فیمن یولیه علیهم فأشار ابن عباس وجاریة بن قدامة ان یولی علیهم زیاد بن ابیه فانه صلیب الرأی عالم بالسیاسة فقال علی هو لها فولاه فارس و کرمان وجهزه الیهما فی اربعة الاف فارس))[2]

''مطلب یہ ہے کہ فارس اور کرمان کے علاقہ جات میں بعض شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور خلیفہ وقت کی مخالفت میں رجحانات پیدا ہو گئے اور وہ لوگ خراج کی ادائیگی اور دیگر حقوق میں کوتاہی کرنے لگے۔ ان حالات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان علاقوں میں کسی مدبر حاکم اور والی کی ضرورت تھی آپ نے مشورہ طلب کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جاریہ بن قدامہ نے یہ مشورہ دیا کہ زیاد صائب الرائے ہے اور امور سیاست میں مہارت رکھتا ہے لہٰذا اس کو وہاں کا والی بنا دیا جائے چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ قبول فرما کر فارس اور کرمان کے علاقے میں زیاد بن ابیہ کو والی اور حاکم بنا کر اسپ سواروں کا ایک دستہ دے کر روانہ کیا۔''

چنانچہ زیاد نے مذکورہ علاقوں میں پہنچ کر شورشیں ختم کر دیں، حالات خلیفہ کے حق میں سازگار بنا دیے اور خراج و دیگر حقوق کی ادائیگی کے معاملات کو درست کر کے واپس ہوا۔ بقول مورخین ۳۹ھ میں یہ واقعہ پیش آیا تھا نیز شیعہ مورخین نے بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد ولایت میں زیاد کو

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۷۰ ج ۷ تحت زیاد بن ابی سفیان
المعارف (ابن قتیبہ) ص ۱۵۱ ج ۱ تحت اسماء الخلفاء
تہذیب الاسماء (نووی) ص ۱۹۸، ۱۹۹ ج ۱ تحت زیاد بن سمیہ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ

[2] البدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۰ ج ۷ تحت سنہ ۳۹ھ
تاریخ ابن جریر طبری ص ۲۲۴ ج ۵ تحت سنہ ۳۹ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فارس کا حاکم اور والی بنایا تھا[1] اور جناب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں زیاد کا حکومت کے اہم مناصب پر فائز کیا جانا مسلمات میں سے ہے۔ مورخین کے نزدیک عہد علوی میں اس کے کارنامے ناقابل انکار حقیقت کے درجے میں ہیں۔ ہم نے قبل ازیں زیاد کے متعلقات سیرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں ''بعض انتظامی امور'' کے عنوان کے تحت مختصراً بیان کر دیے ہیں۔

زیاد کی صلاحیتوں کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بالفاظ ذیل تحریر کیا ہے:

((وکان یضرب به المثل فی حسن السیاسة ووفور العقل وحسن الضبط لما یتولاہ)) [2]

''یعنی حسن سیاست، کمال عقل اور عمدہ نظم وضبط کی صلاحیتوں میں ایک ضرب المثل فرد تھا۔''

زیاد بن ابیہ کی ایک اور صلاحیت واعتماد کا ذکر کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ وہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت میں انشاء پردازی اور کاتب کے منصب پر فائز رہا ہے۔ مثلاً حضرت ابوموسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم کے ہاں اس نے یہ خدمات سرانجام دی ہیں[3] اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی مواقع پر زیاد کو اس کی اہلیت اور اعتماد کی بنا پر اپنا نائب بھی بنایا۔ اور یہ چند چیزیں علمائے تراجم نے متعدد مقامات پر ذکر کی ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ زیاد کی توثیق کے بارے میں کبار علماء نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس میں مندرجہ ذیل جملے بھی پائے جاتے ہیں:

((قال العجلی تابعی ولم یکن یتهم بالکذب)) [4]

''یعنی زیاد (صحابی نہیں) تابعی ہے (لیکن دیانت دار ہے) دروغ گوئی نہیں کرتا۔''

اگر اس کے یہ اوصاف اس کے نسب پر اثر انداز نہ ہوئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے ان کمالات سے پورا فائدہ اٹھایا اور اسے اعلیٰ ذمہ داریاں بخشیں، اور اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ان صلاحیتوں کی قدر کرتے ہوئے حقیقت حال کا سراغ لگا لیا اور اس بات کی توثیق کی کہ ان کے والد کا سمیہ

---

1. اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۱۹ تحت زیاد بن ابیہ (طبع مصر)
2. الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ
3. تہذیب الاسماء (نووی) ص ۱۹۸-۱۹۹ ج ۱ تحت زیاد بن سمیہ
المعارف (ابن قتیبہ) ص ۱۵۱ تحت اسماء الخلفاء
الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ
المحبر (ابوجعفر بغدادی) ص ۳۷۸ تحت اسماء اشراف الکتاب
4. الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے جاہلیت کے دور کا کوئی نکاح ہوا تھا، تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

(۳) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ادوار خلافت گزر جانے کے بعد جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو اس وقت آپ کو زیاد بن ابیہ کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ آپ نے اس کی ذاتی اہلیت وفطرتی صلاحیت کی بنا پر اسے حکومت کے بعض مناصب پر فائز کیا۔

استلحاق زیاد کا واقعہ ۴۴ھ میں

مورخین اور دیگر اس فن کے علماء نے اپنی تفصیلات کے ساتھ نقل کیا ہے اور اسے بہت طول دے دیا ہے لیکن اصل واقعہ مختصراً اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل دور جاہلیت میں طائف میں بعض دفعہ اپنی ضرورت کے لیے گئے اور وہاں سمیہ نامی ایک عورت کے ساتھ اس دور کے رسم ورواج کے مطابق نکاح کیا۔ اس عورت کے بطن سے زیاد بن سمیہ متولد ہوا تو سمیہ نے زیاد کے تولد کی نسبت ابوسفیان سے کی اور ابوسفیان نے بھی اس کا اقرار کیا۔ مگر یہ انتساب عام لوگوں میں مشہور نہیں ہوا بلکہ مخفی رہا۔ جیسا کہ مشہور مورخ عبدالرحمٰن بن خلدون رحمہ اللہ نے بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

((کانت سمیة ام زیاد مولاة للحارث بن کندة الطبیب، وولدت عنده ابا بکرة، ثم زوجها بمولی له وولدت زیادا وکان ابوسفیان قد ذهب الی الطائف فی بعض حاجاته فاصابها بنوع من انکحةالجاهلیة وولدت زیادا هذا ونسبته الی ابی سفیان واقر لها به الا انه کان یخفیه))[1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جاہلیت کے رسم ورواج کے مطابق زیاد کا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف انتساب ہوا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی اقرار کر چکے تھے مگر یہ نسبت عام لوگوں میں مشہور نہ تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بقول بعض مورخین زیاد بن سمیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبی استلحاق کی خواہش ظاہر کی۔ دیگر مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن سمیہ کو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ لاحق کرنے کا ارادہ کیا اور پھر اس معاملے کے متعلق شواہد طلب کیے۔

چونکہ اسلام میں جاہلیت کے نکاحوں کی اولاد کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا اور اولاد کی اپنے آباء سے نفی نہیں کی گئی۔ اس بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کی ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نسبت کو برحال رکھتے ہوئے اپنے ساتھ نسبی استلحاق کا معاملہ کیا۔

اس سلسلے میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے استلحاق زیاد کا

---

[1] تاریخ علامہ ابن خلدون ص ۱۴ ج ۳ تحت استلحاق زیاد (طبع بیروت)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقعہ ۴۴ھ میں پیش آیا تھا اور اس معاملے (زیاد بن سمیہ کے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبی انتساب) پر شواہد طلب کیے اور درج ذیل شاہدوں زیاد بن اسماء حرمازی، مالک بن ربیعہ سلولی، منذر بن زبیر، جویریہ بنت ابی سفیان، مسور بن قدامہ باہلی، ابن ابی نصر ثقفی، زید بن نفیل ازدی، شعبہ بن علقم مازنی، عمرو بن شیبان کے قبیلہ کے ایک شخص اور بنی مصطلق قبیلہ کے ایک شخص نے شہادت دی کہ ابوسفیان نے زیاد بن سمیہ کے حق میں اپنے فرزند ہونے کا اقرار کیا تھا۔ خصوصی طور پر ان میں سے منذر بن زبیر نے اس بات کی بھی گواہی دی کہ انھوں نے یہ بات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنی تھی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے اس بات کا اقرار کیا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ ایام جاہلیت کے اس واقعہ پر مذکور بالا تمام شاہدوں نے اثبات میں گواہی دی۔

((وکان استلحاق معاویة له فی سنة اربع واربعین وشهد بذالك زیاد بن أسماء الحرمازی ومالك بن ربیعة السلولی والمنذر بن الزبیر فیما ذکر المدائنی باسانیده وزاد فی الشهود جویریة بنت ابی سفیان والمسور بن قدامة الباهلی وابن ابی نصر الثقفی وزید بن نفیل الازدی وشعبة بن العلقم المازنی ورجل من بنی عمرو بن شیبان ورجل من بنی المصطلق شهدوا کلهم علی ابی سفیان ان زیادا ابنه الا المنذر فیشهد انه سمع علیا یقول اشهد ان ابا سفیان قال ذالك))[1]

اور ابن خلدون رحمہ اللہ کے الفاظ میں یہ معاملہ اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

((ورأی معاویة ان یستمیله باستلحاقه، فالتمس الشهادة بذالك ممن علم لحوق نسبه بابی سفیان۔ فشهد له رجال من اهل البصرة والحقه))[2]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے ٹھہری کہ زیاد کا اپنے ساتھ استلحاق کرلیا جائے۔ اس کے بعد آپ نے اس بات پر شہادت تلاش کی اور جو لوگ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ زیاد کے نسب کے الحاق کو جانتے تھے ان سے شہادت حاصل کی چنانچہ اہل بصرہ میں سے متعدد افراد نے اس بات پر گواہی دی اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو اپنے ساتھ لاحق کرلیا۔''

حاصل کلام یہ ہے کہ ان شواہد کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ استلحاق کیا تھا اور ساتھ ہی یہ بات بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے اس مسئلے کو اپنی رائے میں حق سمجھ کر حق کی حمایت کی تھی اور

---

[1] الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ۔

[2] تاریخ علامہ ابن خلدون ص ۱۵ ج ۳ تحت استلحاق زیاد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی قلت کو کثرت میں بدلنے یا کسی ذلت سے عزت حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا۔ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے اور تاریخ طبری میں بھی اسی طرح ہے:

((وقال (معاوية) انى لا اتكثر بزياد من قلة ولا اتعزز به من ذلة ولكن عرفت حق الله فوضعته موضعه))[1]

اہل تراجم لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد زیاد نے اس معاملے کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے یوں کہا کہ اس معاملے کے بارے میں گواہوں نے جو گواہی دی ہے اگر وہ برحق ہے تو الحمد للہ، اور اگر یہ بات واقع میں درست نہیں ہے تو میں ان گواہوں کو اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان ذمہ دار ٹھہراتا ہوں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((فخطب معاوية فاستلحقه فتكلم زياد فقال ان كان ما شهد الشهود به حقا فالحمد لله وان يكن باطلا فقد جعلتهم بينى وبين الله))[2]

مسئلہ ہذا کا دوسرا رخ

مسئلہ ہذا کے متعلق یہ ایک رخ تھا جو ان تفصیلات کے ساتھ بقدر ضرورت لکھا گیا ہے۔ اب اس واقعہ کا دوسرا رخ تحریر کرنا مناسب سمجھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ''استلحاق زیاد'' کے واقعہ کو اس دور کے بعض دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم درست نہیں سمجھتے تھے اور وہ حضرات اس معاملے میں بایں طور معترض تھے کہ شرعی قاعدہ (الولد للفراش وللعاهر حجر) یعنی اولاد اسی کی شمار کی جاتی ہے جس کے ہاں پیدا ہو اور بغیر نکاح والے کے لیے پتھر کی سزا ہے، صحیح ہے اور اس کا خلاف کرنا ناجائز ہے۔

اور علمائے کرام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ ایک گونہ توجیہ ذکر کی ہے کہ روایت الولد لفراش وللعاهر الحجر کا قاعدہ صحیح ہے لیکن اس کا محمل اس وقت درست ہے جب صاحب فراش کی طرف سے اولاد کے حق میں دعویٰ پایا جائے۔ اور اگر صاحب فراش کی طرف سے دعویٰ نہیں پایا گیا لیکن اس کے مقابلے میں دوسرے شخص نے اولاد کا اقرار کر رکھا ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس اقرار (اور عدم دعویٰ صاحب فراش) کی بنا پر اس الحاق کو جائز سمجھتے تھے خصوصاً اس حالت میں کہ یہ اقرار دور جاہلیت میں کیا گیا تھا۔

((بل الظاهر انه حمل قول النبى صلى الله عليه وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر"

---

[1] تاریخ علامہ ابن خلدون ص ۱۶ ج ۳ تحت استلحاق زیاد
تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۲۳ ج ۶ تحت سنہ ۴۴ھ ذکر الخبر عن سبب عزلہ

[2] الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علی ما اذا ادعی صاحب الفراش کما ادعی عبد بن زمعة ابن ولیدة ابیه فی مورد الحدیث، واما اذا لم یدعه واقر اخر بانه ابنه فکان عند معاویة الحاقه بالمقر لا سیما اذا ثبت انه اقر به فی الجاهلیة قبل الاسلام))[1]

ان حالات میں اس مسئلے میں رائے کا اختلاف موجود تھا۔ لیکن بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی رائے کے خطا ہونے پر تنبہ ہوا اور آپ نے سابق موقف کو ترک کر دیا۔ وہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اسی نوعیت کا فریقین کی طرف سے ایک تنازع پیش ہوا۔ ایک شخص نصر بن حجاج بن علاط سلمی نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ایک غلام عبداللہ بن رباح کے متعلق دعویٰ دائر کیا کہ یہ میرا بھائی ہے اور میرے بھائی نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی تھی۔ اس مسئلے میں دوسرا فریق خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تھے انھوں نے بیان کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور میرے غلام کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔ دونوں فریق کے اس تنازع نے طول پکڑا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مقدمہ کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ مطلب یہ ہے کہ یہ شخص صاحب فراش کی اولاد ہے دوسرے کا حق نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے پر نصر بن حجاج نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اے امیر معاویہ! زیاد کے حق میں آپ نے کیسے فیصلہ کیا تھا؟ (وہ فیصلہ تو اس کے برخلاف تھا) تو جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معاویہ کے فیصلہ سے بہتر اور برحق ہے۔

یہ دوسرا کیس اپنی جگہ واضح تھا جب کہ زیاد والے کیس میں عبد بن زمعہ کی طرح کوئی مدعی ہی نہیں تھا تو اگر ایسے الجھے ہوئے معاملے میں ظاہر حدیث منطبق نہیں کی گئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل کھلے معاملے میں بھی اس کا خلاف کیا جائے۔ فلہٰذا اس مقدمے کے فیصلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہایت مومنانہ شان سے فرمایا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معاویہ کے فیصلے سے بہرحال بہتر اور اولیٰ ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ معاملہ الزامی طور پر حدیث رسول کے اولیٰ بالعمل ہونے کی دعوت ہے۔

پہلے کیس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بطور ایک مجتہد کے ایک رائے رکھتے تھے اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے اس فیصلے کو صحیح سمجھا لیکن اس دوسرے کیس میں اجتہاد کو راہ نہ تھی۔ اس میں آپ نے جو فرمایا اس کا حاصل یہ تھا کہ حدیث نبوی کے مقابلے میں معاویہ کے اجتہاد کی یہاں کوئی گنجائش ہی نہیں۔

چنانچہ محدث ابویعلی موصلی رحمہ اللہ نے اپنے مسندات میں اس مسئلے کو بعبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((فطالت خصومتهم فدخلوا معه علی معاویة وفهو تحت رأسه فادعیا فقال

[1] اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی ص ۴۸۷، ۴۸۸ ج ۱۵ کتاب الاقرار۔ طبع کراچی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاویة سمعت رسول الله ﷺ يقول "الولد للفراش وللعاهر الحجر" قال نصر فاين قضاءك هذا؟ يا معاوية فى زياد فقال معاوية قضاء رسول الله ﷺ خير من قضاء معاوية))[1]

اور فتح الباری میں یہی مضمون بعبارت ذیل درج ہے:

((وفى حديث معاوية قصة أخرى له مع نصر بن حجاج و عبدالرحمن بن خالد بن وليد فقال له نصر فاين قضاءك فى زياد؟ فقال قضاء رسول الله ﷺ خير من قضاء معاوية))[2]

مسئلہ ہذا کا دوسرا رخ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دیانت داری اور حق پسندی کا پہلو نمایاں طور پر پایا جاتا ہے اور حق بات کو قبول کرنے میں انھیں کوئی تامل نہیں ہوتا تھا اور اتباع نبوی کو ہر صورت میں مقدم رکھتے تھے اور فرمان رسالت کو اپنی رائے پر فوقیت دیتے تھے۔

حقیقت حال

استلحاق زیاد کے واقعہ کے سابق و لاحق دونوں پہلو ناظرین کے سامنے آ گئے۔ رائے سابقہ کے مالہ و ماعلیہ اور اس کے اسباب و دواعی کو بھی سامنے لایا گیا اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں جو رجوع کیا ہے اگرچہ وہ علیٰ سبیل الالزام کے ہے وہ بالکل واضح اور برملا ہے اور اکابر محدثین نے بیان کیا ہے اور اس واقعہ کی عبارات بھی اہل علم کی تسلی کے لیے اوپر لکھ دی گئی ہیں۔

اور کسی مسئلہ میں اپنی سابق رائے سے رجوع کر لینا نہ اخلاقاً قبیح ہے نہ شرعاً غلط ہے نہ واقعتاً برا ہے۔ اہل علم کو معلوم ہے کہ کئی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک عرصہ کے بعد اپنے بعض مسائل سے رجوع کیا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے متعہ کے مسئلے سے رجوع کرلیا۔ پہلے اس کے جواز کا قول کرتے تھے لیکن بعد میں اس کے عدم جواز کا فیصلہ کرلیا۔ اصول سرخسی جلد اول میں ہے:

((ابن عباس رضي الله عنهما كان يقول باباحة المتعة ثم رجع الى قول الصحابة))[3]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے رجوع کر لینے کا یہ مسئلہ بے شمار محدثین وفقہاء نے نقل کیا ہے لیکن ہم نے یہاں صرف ایک حوالہ درج کرنا کافی خیال کیا ہے۔ اس چیز پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی نقد و

---

1. مسند ابی یعلی ص ۴۴۷ ج ۶ تحت مسندات معاویہ بن ابی سفیان
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۴ ج ۵ تحت باب الولد للفراش
2. فتح الباری شرح صحیح بخاری ص ۳۲ ج ۱۲ تحت آخر باب الولد للفراش حرۃ کانت او امۃ
اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی ص ۴۸۸ ج ۱۵ کتاب الاقرار طبع کراچی
3. اصول سرخسی (ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی) ص ۳۲۱ ج ۱ طبع اول دکن۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طعن نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح اس مسئلے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طعن و ملامت کے مستحق نہیں ہیں بلکہ ان کی حق پسندی پر یہ واقعہ قوی دلیل ہے۔ لیکن مشہور ہے کہ

ع ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است۔

طعن کرنے والوں کی نظروں میں یہ عیب و نقص ہی معلوم ہوگا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف سے رجوع کر لینا بھی ثابت ہے اور اکابر محدثین نے اسے نقل کر دیا ہے۔ ان حالات میں حضرت موصوف پر طعن قائم رکھنا اور قبیح تنقید کی شکل میں اسے عوام میں بیان کرنا بڑا ظلم ہے[1] اور قابل نفرت تعبیرات سے اسے ادا کرنا اور مذموم عبارات کی شکل میں لکھنا نہایت ناروا طریق اور برا انداز تحریر ہے۔ یہ ایک مقتدر صحابی کے حق میں بدظنی نشر کرنے کا معاندانہ رویہ ہے جو قابل مذمت ہے۔

---

[1] استلحاق زیاد کے واقعہ کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے بعبارت ذیل تنقید ذکر کرتے ہیں مثلاً:

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شریعت کے مسلمہ قاعدہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ (حالانکہ ایسا نہیں۔ یہاں ایک فارق موجود تھا جس کی تفصیل اوپر ہم نے ذکر کر دی ہے)۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی زناکاری پر شہادتیں قائم کیں (کیا یہ دور جاہلیت کی بات نہیں؟)

③ اور اس معاملے میں حلال و حرام کی تمیز بھی روا نہیں رکھی...... وغیرہ وغیرہ

لطیفہ: یہی زیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں کارکن تھا تو ثقہ، معتمد، بہترین صالح شخص تھا مگر وہی شخص امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچ گیا تو وہ بڑا قبیح، بدکار، ظالم، ولد الحرام، ولد الزنا، حرامی بن گیا۔ یا للعجب!! (منہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ استخلاف یزید

معترض دوست استخلاف یزید کے مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بہت کچھ اعتراضات قائم کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ منتخب کرنا درست نہیں تھا اس طریقہ سے سابقہ خلفاء کا انھوں نے خلاف کیا اور مخالفین اسلام قیصر و کسریٰ کے طریقہ کو مروج کیا۔ اس وجہ سے امت میں بڑے مفاسد کھڑے ہوئے۔ آپ نے قوم کو غلط راہ پر ڈال دیا۔ یہ کام انھوں نے ذاتی مفاد اور حفاظت اقتدار کی خاطر سرانجام دیا تھا جو امر مذموم تھا۔

اس مسئلے کو صاف کرنے کے لیے چند امور ذکر کیے جاتے ہیں، ان پر توجہ فرمائیں، امید ہے قابل اطمینان ہوں گے:

① مسئلہ استخلاف یزید میں پہلے یہ چیز معلوم کرنی چاہیے کہ شرعی طور پر فرزند کو اپنے والد کی جگہ پر والی و حاکم منتخب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق یہ چیز واضح ہے کہ نصوص قرآنی اور احادیث صحیحہ کے اعتبار سے یہ صورت منع نہیں بلکہ جائز ہے۔ شیعہ حضرات اس مسئلہ پر اپنی کتابوں سے بھی کوئی سند نہیں لا سکے کہ بیٹے کو جانشین بنانا ناجائز ٹھہرے۔ اگر شرعی قوانین اور آئین کی رو سے بیٹے کو باپ کی جگہ پر والی منتخب کرنا ناجائز ہوتا تو حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اس دور کے اکابر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قائم مقام کیسے منتخب کر لیا؟ انھیں کیوں یہ خیال نہ آیا کہ اس طرح امت ایک غلط راہ پر چل پڑے گی۔

بلکہ روایات میں اس طرح موجود ہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دفن سے فراغت کے بعد خود حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنی بیعت کی طرف دعوت دی اور بلایا۔ اس پر لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

((ثم النصرف بالحسن بن علی من دفنه فدعا الناس إلی بیعته فبایعوه))[1]

یہاں سے واضح ہو گیا کہ والد کی جگہ اس کے فرزند کو والی اور حاکم بنانا درست ہے، یہ کوئی قابل اعتراض چیز نہیں اور نہ یہ قیصر و کسریٰ کے طریق کی اتباع ہے اور جو لوگ دن رات وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۵ ج ۳ قسم اول تحت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ طبع لیڈن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑھتے ہوں وہ اس قسم کی غلط بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔ البتہ انتخاب میں اس کی اہلیت شرط ہوتی ہے اور اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے جیسا کہ ہم آیندہ سطور میں ذکر کر رہے ہیں۔

(۲) مسئلہ استخلاف کے متعلق امت کے اکابر علماء نے شروط اور قیود ذکر کی ہیں جن کو ذیل میں ذکر کرنا ہم مناسب خیال کرتے ہیں۔

چوتھی اور پانچویں صدی کے حنابلہ وشوافع کے کبار علماء کے یہ بیانات ہیں ان کو پہلے درج کیا جاتا ہے، اس کے بعد دیگر مورخین و محدثین کے فرمودات اور مزید چیزیں ذکر کی جائیں گی جو اس مسئلہ کے سمجھنے میں مفید و معین ہیں:

شروط و قیود

چنانچہ علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے کتاب الاحکام السلطانیہ میں اس چیز کو بعبارت ذیل واضح کیا ہے:

((وقال الاکثر من الفقهاء والمتکلمین تجوز امامته و صحت بیعته ولا یکون وجود الافضل مانعا من امامة المفضول اذا لم یکن مقصرا عن شروط الامامة کما یجوز فی ولایة القضاء تقلید المفضول مع وجود الافضل))[1]

"یعنی مسئلہ ہذا میں علماء کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے علامہ ماوردی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اکثر فقہا اور متکلمین کا قول یہ ہے کہ مفضول کی امامت افضل کے ہوتے ہوئے جائز ہے اور اس کی بیعت صحیح ہے اور افضل کا وجود اس بات سے مانع نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ مفضول میں امامت کے شروط میں کوتاہی نہ پائی جائے۔ جیسا کہ قضا کے معاملہ میں افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو قاضی بنانا جائز ہے۔"

اور قاضی ابویعلی محمد بن حسین الفراء اپنی تصنیف الاحکام السلطانیہ میں اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ

((ویجوز ان یعهد الی من ینتسب الیه بابوة او بنوة اذا کان المعهود له علی صفات الائمة لان الامانة لا تنعقد للمعهود إلیه بنفس العهد وانما تنعقد بعهد المسلمین والتهمة تنتفی عنه))[2]

"مطلب یہ ہے کہ اگر منصب یافتہ شخص صفات امامت کا حامل ہو تو عہدہ دینا جائز ہے اگرچہ وہ

---

[1] کتاب الاحکام السلطانیہ (ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ) ص ۵ تحت باب الاول فی عقد الامامت (طبع مصر)

[2] الاحکام السلطانیہ (ابویعلی محمد بن حسین الفراء المتوفی سنہ ۴۵۸ھ) ص ۹ تحت فصول فی الامامہ طبع مصر (المتوفی سنہ ۴۵۸ھ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باپ ہو یا بیٹا ہو۔ کیونکہ کسی کو محض عہدہ عطا کر دینے سے وہ عہدے دار نہیں بن جاتا بلکہ وہ شخص اسی وقت عہدے دار کہلانے کا حق دار ہوتا ہے جب مسلمان اسے اس عہدے کے لیے قبول کریں اور اسی صورت میں عہدہ دینے کی تہمت سے بچا جا سکتا ہے۔"

چنانچہ ان شروط وقواعد کی روشنی میں یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ اس منصب کے لیے اہلیت وصلاحیت کا پایا جانا لازم ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یزید کے انتخاب میں ان چیزوں کا لحاظ رکھا گیا جیسا کہ آگے اس کا ذکر آ رہا ہے۔

③ استخلاف یزید کے متعلق اکابر فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین رحمۃ اللہ علیہم اس مسئلے میں مختلف آراء رکھتے تھے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ اس انتخاب اور نامزدگی کا یہ طریق کار درست نہیں۔ لیکن دیگر صحابہ اور اکابرین امت کی رائے یہ تھی کہ موجودہ حالات کے مطابق یہ انتخاب اور نامزدگی درست ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے بھی یہی تھی کہ اگرچہ یزید سے افضل حضرات موجود ہیں تاہم حالات حاضرہ کے پیش نظر مفضول کی نامزدگی درست ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر وکسریٰ کی اتباع میں ایسا نہیں کیا تھا بلکہ اس وقت کی سیاسی وملکی ضرورت کے تحت انھوں نے ایسا کیا تھا۔ یہ ان کا اجتہاد فکر تھا۔

استخلاف یزید کے مسئلہ میں تاریخوں کے اعتبار سے بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے تاہم بعض روایات کے پیش نظر یہ واقعہ ۵۶ھ میں پیش آیا تھا۔ چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق کبار علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا دیگر حضرات یہ رائے رکھتے تھے کہ اگر فاضل افراد (جو دین و اسلام اور عبادت میں سبقت رکھنے والے ہیں) موجود ہیں تو ان کو چھوڑ کر ایک مفضول کو جو رائے اور معرفت (یعنی ملک رانی اور تدبیر مملکت) میں قوی ہو، مقدم کر دیا جائے تو درست ہے۔

شرح بخاری میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

① ((وكان رأى معاوية فى الخلافة تقديم الفاضل فى القوة والرأى والمعرفة على الفاضل فى السبق الى الاسلام والدين والعبادة۔ فلهذا اطلق انه احق))[1]

اور قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے استخلاف کے معاملے میں درست اقدام کیا تاہم انھوں نے یہ چیز تسلیم کی ہے کہ:

② ((ألا انا نقول ان معاوية ترك الافضل فى ان يجعلها شورى والا يخص

---

[1] فتح الباری شرح بخاری ص ۳۲۴ ج ۷ تحت الحدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما (ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جانا)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بها احدا من قرابته فكيف ولدا))[1]

''یعنی ہم کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس مسئلے کے متعلق شوریٰ قائم کرنا افضل تھا اور قرابت داری میں سے اگر چہ بیٹا ہو اس کو خاص نہیں کرنا چاہیے تھا۔ انھوں نے افضل اور بہتر چیز کو اس معاملے میں ترک کر دیا۔''

لیکن اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک مجبوری بھی تھی آپ کے حلقہ سیاست کے لوگ جو سالہا سال سے آپ کے وفادار چلے آ رہے تھے اور بڑی بڑی حوصلہ آزما جنگوں میں وہ آپ کے فدا کار ساتھی رہے تھے انھیں چھوڑنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بس میں نہ تھا۔ شامی لوگ اموی شخص کے بغیر کسی اور کی ولی عہدی پر راضی نہ ہو سکتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا کہ ان کی رائے کے خلاف چلنے سے جمعیت اسلام پھر کہیں منتشر نہ ہو جائے اور دو تین سلطنتیں قائم نہ ہو جائیں۔ آپ نے ان کی رائے کا احترام کیا اور نظم سلطنت میں وہ تدبیر اختیار کی کہ آیندہ انتشار سلطنت کا کوئی عنوان قائم نہ ہو سکے۔

عراق کے لوگ اگر چہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھی رہے تھے لیکن ان کا عدم استقلال اور غیر مستقل مزاجی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مخفی نہ تھی۔ آپ کا سیاسی تدبر اس کے سوا اور کوئی راہ نہ پا سکا کہ جانشین شام والوں میں سے چنیں اور یہ کہ اموی ہو۔ ان کے مشیروں کی رائے میں اس پہلو سے یزید کے سوا کوئی اور امیدواران شرطوں پر پورا نہ اترتا تھا۔

اور ابن خلدون رحمہ اللہ نے اس مضمون کو بعبارت ذیل بیان کیا ہے:

((وعدل عن الفاضل الى المفضول حرصا على الاتفاق واجتماع الاهواء الذى عند الشارع وإن كان لا يظن بمعاوية غير هذا۔ فعدالته وصحبته مانعة من سوى ذالك))[2]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فاضل کو چھوڑ کر مفضول کی طرف عدول کیا۔ وہ قوم کے اتفاق اور اجتماع کی رعایت اور لوگوں کی خواہشات کا لحاظ کیے ہوئے تھے اور ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس معاملے میں بہتر گمان رکھتے ہیں کیونکہ اس کے سوا کوئی دیگر چیز ان کی عدالت اور صحابیت کی شان کے خلاف ہے۔''

نیز ابن خلدون رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اس مسئلہ کو دیگر عبارات کی شکل میں بھی پیش کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

---

[1] العواصم من القواصم (ابن العربی) ص ۲۲۲ تحت بحث ہذا

[2] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۱۱ تحت الفصل الثلاثون فی ولایۃ العہد طبع مصر (ص ۳۷۲-۳۷۳ طبع بیروت)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((والذی دعا معاویة لایثار ابنه یزید بالعهد دون من سواه انما هو مراعاة المصلحة فی اجتماع الناس واتفاق اهواءهم باتفاق اهل الحل والعقد علیه حینئذ من بنی امیة اذ بنوامیة یومئذ لا یرضون سواهم وهم عصابة قریش واهل الملة اجمع واهل الغلب منهم اثره بذالك دون غیره ممن یظن انه اولی بها))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی دوسرے شخص کو منصب خلافت نہیں دیا بلکہ اپنے فرزند یزید کو دیا۔ یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت کے لوگوں کے اجتماع کو قائم رکھنے کی مصلحت سامنے تھی اور بنو امیہ کے اہل حل وعقد کے اتفاق کی رعایت ملحوظ خاطر تھی۔ اس دور میں بنوامیہ قریش کی بڑی جماعت تھی اور ان کا غلبہ تھا، وہ کسی دوسرے شخص پر رضامند ہونے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ ان حالات کے پیش نظر یزید کو منتخب کیا اور اس منصب کے لیے بہتر سمجھا۔''

مسئلہ ہذا میں مصلحت اور حسن ظن

اور مقدمہ میں ابن خلدون رحمہ اللہ نے اس چیز کو بعبارت ذیل پیش کیا ہے:

((وکذالك عهد معاویة الی یزید خوفا من افتراق الکلمة بما کانت بنوامیة لم یرضوا تسلیم الامر الی من سواهم فلو قد عهد الی غیره اختلفوا علیه مع ان ظنهم کان به صالحا ولا یرتاب احد فی ذالك ولا یظن بمعاویة غیره فلم یکن لیعهد الیه وهو یعتقد ما کان علیه من الفسق حاشا لله لمعاویة من ذالك))[2]

''مطلب یہ ہے کہ اپنے فرزند یزید کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو منصب سپرد کیا تھا وہ کلمہ اہل اسلام میں افتراق وانتشار سے بچانے کی بنا پر تھا۔ اس سبب سے کہ قبیلہ بنوامیہ امر خلافت کو اپنے سوا کسی دوسرے کی طرف سپرد کر دینے پر آمادہ نہیں تھے۔ اگر یہ معاملہ ان کے غیر کی طرف سپرد کر دیا جاتا تو یہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کر دیتے۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ یزید کے متعلق ان کا بہتر گمان تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ (بظاہر کوئی چیز اس کے خلاف نہ پائے جانے پر) ان کا یہ ظن فی نفسہ درست تھا۔ یزید میں فسق وفجور ظاہری طور پر اور برملا پایا جائے اور پھر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ ذمہ داری اس کے سپرد کر دیں، حاشا وکلا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ

---

[1] مقدمہ ابن خلدون تحت الفصل الثلاثون فی ولایۃ العہد ص ۲۱۱ مطبع مصر (ص ۳۷۲-۳۷۳ طبع بیروت)

[2] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۶۵ ج ا تحت انقلاب الخلافۃ الی الملک (طبع بیروت)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیز بعید ہے۔"

(حاشیہ) قولہ مع ان ظهم كان به صالحا یزید بن معاویہ کے قبائح اور معائب کے متعلق لوگوں کے بہت کچھ اقوال پائے جاتے ہیں۔لیکن افراط وتفریط کے درمیان یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ جس دور میں یزید کا انتخاب اور نامزدگی کی گئی اس دور میں اس کے مفاسد اور قبائح علانیہ طور پر موجود نہیں تھے۔ چنانچہ اس پر مندرجہ ذیل قرائن دستیاب ہوتے ہیں:

❀ مورخین نے لکھا ہے کہ جب بلاد روم میں غزوات ہوئے اور غزوہ قسطنطنیہ پیش آیا تو اسلام کی طرف سے جو لشکر اس غزوہ کے لیے پہنچا اس کا امیر الجیش یزید بن معاویہ تھا اور متعدد اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید کے زیر کمان اسلامی جہاد میں شریک تھے مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور ابو ایوب انصاری وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ اور ایک دیگر مقام پر یہ تصریح بھی موجود ہے کہ حضرت سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما بھی اس جیش میں شریک وشامل تھے۔

((وفيها (سنة ۴۹ھـ) غزا يزيد بن معاوية بلاد الروم حتى بلغ قسطنطينية ومعه جماعة من سادات الصحابة منهم ابن عمر و ابن عباس وابن الزبير وابوايوب الأنصاری رضی اللہ عنہم)) [۱]

((وقد كان (الحسين بن علی رضی اللہ عنہما) فی الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد فی سنة احدیٰ وخمسين)) [۲]

❀ نیز مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ غزوہ قسطنطنیہ کے دوران میں جب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو یزید نے آپ کی بیمار پرسی کی اور آپ نے یزید کو بعض وصیتیں فرمائیں جن پر اس نے عمل کیا۔ اور جب آپ فوت ہو گئے تو یزید نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ چنانچہ البدایہ والنہایہ میں ہے کہ:

((وكان (ابوايوب الانصاری رضی اللہ عنہ) فی جيش يزيد بن معاوية واليه اوصی وهو الذی صلی عليه)) [۳]

مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ متعدد اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دور میں یزید کی سربراہی میں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا۔ یزید نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عیادت کی اور ان کے وصایا پر عمل کیا اور اس نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

---

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۱ ج ۸ تحت قصۃ الحسین وسبب خروجہ باہلہ سنہ ۵۱ھ

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۸ ج ۸ تحت تذکرہ حضرت ابو ایوب الانصاری سنہ ۵۲ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلہٰذا یہ چیزیں اس بات کا قرینہ ہیں کہ اس دور میں یزید کے قبائح اور معائب ظاہر نہیں تھے اور اس کا کردار درست تھا۔ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے ساتھ کارہائے خیر میں شریک رہتے تھے اور جہاد جیسے اہم امور کو یزید کی معیت میں سرانجام دیتے تھے۔

اگر یزید کا کردار اس زمانہ میں خراب تھا اور عادات قبیحہ کا مرتکب تھا تو پھر ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے ساتھ تعاون کیسے روا رکھا؟ اور ان امور خیر میں کیسے شامل رہے؟ آیات و احادیث کیا ان کے پیش نظر نہیں تھیں؟

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ

اس پر ایک دیگر قرینہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کے ساتھ جب اس دور کے لوگوں کا یزید کے متعلق کلام ہوا اس وقت انھوں نے یزید کے معائب ذکر کیے تو ان کے جواب میں محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

((ما رأيت منه ما تذكرون وقد حضرته واقمت عنده فرأيته مواظبا على الصلاة متحريا للخير يسئل عن الفقه ملازما للسنة۔ قالوا فان ذالك كان منه تصنعا لك))[1]

''یعنی محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے جواباً فرمایا: معائب کی جو چیزیں تم ذکر کرتے ہو وہ میں نے اس میں نہیں دیکھیں۔ میں نے اس کے پاس اقامت کی ہے، میں نے اس کو نماز کا پابند، امر خیر کا تلاش کرنے والا، دینی مسائل کا دریافت کرنے والا اور سنت کو لازم پکڑنے والا پایا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ چیزیں اس سے بطور تصنع کے صادر ہوئی ہیں۔ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کو مجھ سے کیا خوف اور کیا امید تھی کہ اس نے ایسی چیز کا اظہار کیا؟''

مسئلہ ہذا کی تائید

اسی طرح حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''اثبات شہادت حسین'' میں اس مسئلے کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

''وقتیکہ امیر معاویہؓ یزید را ولی عہد خود کردند فاسق معلن نبود اگر چیزے کردہ باشد در پردہ باشد کہ حضرت امیر معاویہؓ را ازاں خبر نہ بود۔ علاوہ بریں حسن تدبیر در جہاد آنچہ کہ از و مشہود شد مشہور است۔''[2]

---

1. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۳۳ ج ۸ تحت حالات یزید
2. تحقیق و اثبات شہادت حسین از مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، ص ۷۶ مترجم انوار الحسن شیرکوٹی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو جب اپنا ولی عہد بنایا تو اس وقت وہ علی الاعلان فاسق نہیں تھا۔ اگر اس میں کوئی خامی اور تقصیر تھی تو وہ در پردہ تھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہیں تھی۔ علاوہ ازیں جہاد میں اس کی صلاحیت اور حسن تدبیر مشہور ہے۔"

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے کہ یزید پہلے فاسق نہیں تھا بلکہ بعد میں ہوا۔

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی اس صلاحیت کی بنا پر اس کو اپنا ولی عہد منتخب کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ نیز یہ چیز بھی مسلمات میں سے ہے کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شیرازۂ امت کو منتشر ہونے سے بچانے کے لیے یزید کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔ یہ بیعت اس لیے نہ تھی کہ وہ یزید کو ہر طرح سے حق دار خلافت سمجھتے تھے بلکہ اس لیے کہ امت مسلمہ میں خوں ریزی نہ ہو اور جس طرح بھی بن پڑے مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے مجتمع رہیں۔ یزید کی حکومت کو تسلیم کرنا اس شرط کے ساتھ تھا کہ اُن کی اللہ اور رسول اللہ سے بیعت برقرار رہے گی اور وہ حکومت کی کسی ایسی بات کو ہرگز نہیں مانیں گے جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہو۔ بایعنا هذا الرجل علی بيعة الله ورسوله (بخاری)

مذکورہ بالا اشیاء اس چیز کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اس دور میں یزید کے ظاہری اعمال و احوال عموماً اس درجہ کے نہ تھے کہ اس کی مخالفت ضروری ہو، اور اسلام کے خلاف اس کا کردار نہیں تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس دور میں اس کا انتخاب کیا یا اس کی نامزدگی کی تو اس میں اہلیت سمجھ کر ہی ایسا کیا گیا تھا۔ آئندہ کے لیے کسی کو کیا معلوم ہوتا ہے کہ کیا حالات پیش آئیں گے؟ (والغيب عند الله تعالیٰ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے بعد جو یزید کے کارنامے مثلاً واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور مکہ شریف پر چڑھائی وغیرہ جو کتابوں میں پائے جاتے ہیں ان کا ذمہ دار خود یزید ہے نہ کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ان کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا بڑی زیادتی ہے اور آنجناب اس کے ذمہ دار نہیں۔

مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی طرف سے تائید

مکتوبات قاسمی میں مولانا مرحوم نے اسی مسئلے کو اس طرح نقل کیا ہے:

"واین طرف مذہب حضرت امیر معاویہؓ درباره خلافت آن بود کہ ہر کرا سلیقہ انتظام مملکت زائد از دیگراں باشد گو افضل از و باشند افضل است از دیگراں۔ نظر بریں او را افضل از دیگراں دانستند و اگر افضل ندانستند پس بیش ازیں نیست کہ ترک افضل کردند۔ چنانچہ در مقدمات سابقہ واضح شدہ کہ استخلاف افضل، افضل است نہ واجب۔ لیکن ایں قدر را گناہ نتواں گفت کہ بسب وشتم امیر معاویہ پیش آئیم ایں طرف امیر معاویہؓ را از اجلہ صحابہ نمی شماریم کہ بنسبت ترک افضل واولی ہم دریں چنیں امور معذرت نمائیم۔"[1]

[1] مکتوبات قاسمی مع ترجمہ اردو ص ۳۸-۳۹ بعنوان مذہب امیر معاویہ دربارہ خلافت۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یعنی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلافت کے بارے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ تھا کہ جس شخص کو انتظام مملکت کا سلیقہ دوسروں کے اعتبار سے زیادہ ہو (اگر چہ وہ دیگر امور میں اس سے افضل ہوں) تو وہ دوسروں کی بہ نسبت خلافت کے لیے افضل ہے۔ اس بنا پر وہ (یزید کو اس معاملے میں) دوسروں سے افضل جانتے تھے اور اگر افضل نہیں جانتے تھے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ انھوں نے ترک افضل کیا، ترک واجب نہیں کیا۔''

چنانچہ مقدمات سابقہ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے واجب نہیں۔ لیکن ترک افضل و ترک اولیٰ کو ایسا گناہ نہیں کہا جا سکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس پر سب وشتم کرنے لگیں اور ان کو اکابر صحابہ میں سے شمار نہ کریں۔

مندرجات بالا کے فوائد و ثمرات آیندہ عنوان ''بحث کا اختصار'' کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

بحث کا اختصار

① حاصل کلام یہ ہے کہ استخلاف کے مسئلے میں چند اشیاء پیش کی گئی ہیں جن میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے انتخاب میں کسی شرعی قاعدہ اور اسلامی ضابطہ کا برخلاف نہیں کیا۔

② اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس دور کے حالات کے پیش نظر یہ انتخاب کیا تھا (اگر چہ بعض حضرات صحابہ اس انتخاب کے خلاف رائے رکھتے تھے) تاہم متعدد صحابہ کرام اور اکابرین امت اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف نہ تھے بلکہ ہم نوا تھے۔

③ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس دور میں امت مسلمہ کے مقاصد خیر اور اجتماعی مصالح تھے اور قریش کے بڑے اہم قبیلہ بنوامیہ کے اتفاق و اتحاد کو افتراق سے بچانا مقصود خاطر تھا تا کہ اہل اسلام کی مرکزی قوت میں انتشار واقع نہ ہو اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی قائم رہے پارہ پارہ نہ ہو جائے۔

④ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کے متعلق حسن ظن تھا کہ اس میں انتظام مملکت کی اہلیت اور صلاحیت پائی جاتی ہے اور ظاہر طور پر اس میں خلاف اسلام کوئی بات موجود نہیں تھی، اور غیب کی کسی بات پر اطلاع بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے کسی کو نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے آں موصوف اس مسئلے میں معذور ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ

((معاوية معذور فيما وقع منه ليزيد لانه لم يثبت عنده نقص فيه))[1]

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں مورد الزام بنانا کسی طرح درست نہیں۔

⑤ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند یزید کو خلیفہ نامزد کر کے تقویٰ کے اعلیٰ درجے کے خلاف

---

[1] تطہیر الجنان مع الصواعق المحرقۃ (ابن حجر مکی) ص ۲۵، الفصل الثانی فی فضائلہ ومناقبہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواز کے درجہ کو اختیار کیا، کسی امر واجب کا خلاف نہیں کیا۔ حضرات شیخین سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے جو طریق استخلاف اختیار فرمایا وہ تورع اور تقویٰ کا اعلیٰ مقام تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور کے حالات اور مصالح کے پیش نظر انتخاب کے مسئلے میں جو صورت اختیار کی وہ درجہ جواز میں تھی، اور غایت سے غایت یہی کچھ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اس مسئلے میں ترک افضل کیا۔

لیکن اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنو امیہ اور ان کے حلیف قبائل ایک بہت بڑی طاقت تھے انھیں نظر انداز کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کسی کو نامزد نہیں کر سکتے تھے۔ فلہٰذا ان کا یہ طریق کار شرع کے برخلاف نہیں اور نہ نفرین و تقبیح کے لائق ہے اس وجہ سے ان پر نہ تو سب و شتم روا ہے اور نہ طعن و تشنیع درست ہے اور نہ ملامت جائز ہے۔

بدعنوانیاں

استخلاف یزید کے سلسلے میں معترض احباب کئی روایات کا سہارا لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرتے ہیں کہ انھوں نے بیعت یزید کے معاملے میں کئی بدعنوانیاں کیں۔ اب اس کے جواب کے لیے چند عنوانات قائم کر کے کلام کیا جاتا ہے ان پر غور فرمالیں:

① طمع و تحریص

معترض دوست حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اعتراض قائم کرتے ہیں کہ آپ نے لوگوں کو طمع و لالچ دلا کر اپنے فرزند کی خلافت کے لیے بیعت پر آمادہ کیا اور اس سلسلے میں زر کثیر صرف کیا۔ اسی طرح کئی لوگوں نے طمع و لالچ میں آ کر بیعت یزید قبول کر لی۔

اس سلسلے میں معلوم ہونا چاہیے کہ اس اعتراض کی بنیاد عموماً تاریخی روایات پر ہے اور وہ اس درجہ کی قابل اعتماد نہیں کہ ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مطاعن کی بنیاد بنایا جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا طرز و طریق لوگوں سے حسن سلوک کا تھا اور وہ لوگوں کے ساتھ روا داری کا برتاؤ کرتے تھے، لوگوں کو اموال عطا کرنا ان کا شیوہ تھا اور وہ اکابر کو عطایا، ہدایا اور وظائف دیا کرتے تھے۔ لیکن ان واقعات کو معترض احباب نے بیعت یزید کے سلسلے میں اعتراض قائم کرنے کا ایک زینہ بنا لیا ہے اور اپنے فاسد اغراض کی خاطر واقعات کا رخ دوسری طرف کر دیا ہے اور اس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک پسندیدہ فعل کو بغض و عداوت کی نظر سے دیکھتے ہوئے طمع و لالچ دلانے اور رشوت کا نام دے کر ایک معیوب چیز اور قابل طعن چیز بنا دیا ہے۔ سچ ہے کہ:

ع ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است

نیز اس سلسلے میں جو روایت رشوت دینے دلانے کی بنیاد قرار دیتے ہیں یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رشوت دی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رشوت لی، اس روایت کے رواۃ میں سے بعض راویوں کا حال ذیل میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں:

((ووقع عند الاسماعیلی من طریق مومل بن اسماعیل عن حماد بن زید))

مومل بن اسماعیل کے متعلق اگرچہ توثیق بھی پائی جاتی ہے تاہم نقد و جرح بھی مذکور ہے۔ چنانچہ یعقوب بن سفیان بسوی ذکر کرتے ہیں کہ

((وقد یجب علی اهل العلم ان یقفوا عن حدیثه ویتخففوا من الروایة عن فانه منکر یروی المناکیر عن ثقات شیوخنا))[1]

اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

((وقال البخاری منکر الحدیث وقال ابوزرعة فی حدیثه خطأ کثیر))[2]

اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ

((وقال محمد بن نصر المروزی المومل اذا انفرد بحدیث وجب ان یتوقف و یثبت فیه لانه کان سیئ الحفظ کثیر الغلط))[3]

❁ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس فن کے علماء فرماتے ہیں کہ اہل علم پر لازم ہے کہ مومل کی حدیث سے رک جائیں اور اس سے روایت لینا کم کر دیں۔ یہ منکر الحدیث ہے، ثقہ شیوخ سے منکر روایات نقل کرتا ہے (جو معروف روایات کے خلاف ہوتی ہیں)۔

❁ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مومل منکر الحدیث ہے اور ابو زرعہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مومل کی حدیث میں بہت خطا ہوتی ہے۔

❁ محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مومل جب حدیث کے نقل کرنے میں منفرد ہو تو اس کی روایت سے توقف کرنا لازم ہے اس لیے کہ اس کا حافظہ خراب تھا، کثیر غلطیاں کرنے والا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ اس نوع کی روایات پر رشوت دینے دلانے کے طعن کی بنیاد قائم کرنا درست نہیں۔ ایسے مجروح راویوں کی روایت کے ذریعے سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت اور وثاقت کو داغدار نہیں کیا جا سکتا۔ فلہٰذا یہ روایات قابل اعتناء نہیں۔

---

1. المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۵۲ ج ۳ طبع بیروت۔
2. میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۲۲۸ ج ۴ تحت مومل بن اسماعیل (طبع بیروت)
3. تہذیب التہذیب ص ۳۸۱ ج ۱۰ تحت مومل بن اسماعیل۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑵ فریب کاری وحیلہ سازی

نیز یہ چیز بھی مخالفین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے استخلاف یزید کے معاملے میں بڑی حیلہ سازی کی تھی اور مکر وفریب سے کام لیا تھا۔

اس طعن کا مدار طبری کی ایک روایت پر ہے جس میں بیعت یزید کے سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زیاد کی طرف مشورے کے طور پر خط تحریر کرنا اور پھر زیاد کا عبید بن کعب کی طرف قاصد بھیجنا مذکور ہے۔ اس روایت کی سند اس طرح مذکور ہے کہ:

((حدثني الحارث قال حدثنا علي عن مسلمة قال لما اراد معاوية ان يبايع ليزيد كتب الى زياد...... الخ))

اس روایت کی سند کا مختصر سا حال ملاحظہ فرمائیے جو بنائے طعن ہے کہ یہاں طبری کا شیخ حارث ہے لیکن معلوم نہیں کہ یہ شخص کون بزرگ ہیں۔ کیونکہ طبری کے شیوخ میں کئی حارث مذکور ہیں مثلاً حارث بن محمد، حارث بن کعب اور حارث بن حصیر وغیرہم۔ اور ان حوارث میں بعض شیعہ بزرگ بھی ہیں۔

سند میں دوسرا راوی علی ہے، اور علی سے مراد کون علی ہیں؟ بظاہر علی سے مراد علی بن محمد مدائنی ہے جو ایک مورخ اور اخباری آدمی ہے۔

سلسلہ سند میں تیسرے راوی مسلمہ ہیں جن کے متعلق حسب سابق معلوم نہیں کہ کون مسلمہ ہیں۔ بظاہر یہ ہے کہ مسلمہ بن محارب کوئی ہے جو اس دور کا آدمی نہیں ہے جس دور میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ طبری کی بعض روایات میں یہ سلسلہ سند اس طرح مذکور ہے کہ

((حدثني عمرو بن شبه قال حدثني ابوالحسن المدائني (علي بن محمد) اخبرنا مسلمة بن محارب عن داود بن أبي هذا عن شعبي...... الخ))[1]

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمہ بن محارب بعد کے دور کا آدمی ہے اور جس دور میں مذکورہ بالا مسئلہ پیش آیا تھا اس دور میں یہ شخص موجود نہیں تھا۔ فلہذا بنائے طعن کی روایت کے اسناد پر نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ روایت مرسل ہے، راوی اور واقعہ کے درمیان انقطاع زمانہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسی روایت کی بنا پر ایک مقتدر صحابی پر الزام تراشی اور فریب کاری وغیرہ کا طعن قائم کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ مخالفین کی طرف سے اس نوع کی روایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع کے لیے لوگوں میں پھیلائی جاتی ہیں جو لائق اعتبار اور قابل اعتناء نہیں۔

---

1. تاریخ طبری ص ۱۵۶ ج ۵ سنہ ۳۵ھ (تحت احوال قتل عثمان)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ جبر و اکراہ

اور دیگر یہ چیز اس مقام پر بطور طعن ذکر کرتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں پر مسئلہ بیعت کی خاطر بہت کچھ دباؤ ڈالا اور لوگوں کو بیعت یزید پر مجبور کر دیا اور انھیں اس کے بغیر چارۂ کار نہ رہا۔ چنانچہ لوگوں نے اضطراری حالت میں بیعت یزید قبول کر لی۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے محاسن کو نظر انداز کرتے ہوئے معائب اور مطاعن کے متعلق بہت کچھ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے یہ طعن اور اعتراض بھی اسی درجے میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیعت یزید کا مسئلہ ایک مجتہد فیہ مسئلے کے درجے میں تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا اور اس میں (جیسا کہ اپنی جگہ پر ذکر کیا جاتا ہے) رائے کا اختلاف ہوا تھا۔ بعض اس کے خلاف تھے اور بعض دیگر اس رائے کے حق میں تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس دور کے حالات اور سیاسی وملّی مصالح کے پیش نظر اسے صحیح سمجھتے تھے۔

لوگوں پر اس معاملے میں کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا گیا حتیٰ کہ جو شیعی مورخ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سخت مخالف ہیں انھوں نے بھی برملا طور پر اپنی شیعی تواریخ میں لکھ دیا ہے کہ

((و حج معاویة تلك السنة۔ فتألف القوم ولم یکرھھم علی البیعة))[1]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سال حج کیا اور قوم کے ساتھ الفت سے پیش آئے اور انھیں بیعت (یزید) پر ہرگز مجبور نہیں کیا۔''

یہ تصدیق اعدائے معاویہ کی طرف سے اس طعن کا صحیح جواب ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قوم پر بیعت یزید کے سلسلے میں کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا۔

④ تہدید قتل

اس مقام پر بیشتر تاریخی روایات اس نوع کی ہیں جو مجروح اور مقدوح رواۃ سے مروی ہیں اور اس وجہ سے درجہ صحت تک نہیں پہنچ سکتیں۔ چنانچہ ان کا اجمالی محاسبہ ذکر کیا جاتا ہے:

سند پر کلام

ایسی تاریخی روایات جن میں بیعت نہ کرنے والوں کے حق میں قتل کی سزا کی تہدید مذکور ہے ان روایات کی سند میں بعض جگہ راوی کہتا ہے کہ

((قال سمعت أشیاخ المدینة یحدثون))

---

[1] تاریخ یعقوبی (احمد بن ابی یعقوب کاتب العباسی الشیعی المعروف یعقوبی) ص ۲۲۹ ج ۲ تحت واقعات وفات امام حسن رضی اللہ عنہ (۴۹ھ) طبع بیروت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''میں نے یہ روایت شیوخ مدینہ سے سنی ہے۔''

یہ اہل مدینہ کے اشیاخ خدا جانے کون حضرات ہیں؟ کس ذہنیت کے مالک ہیں؟ اور ان کا دینی معیار کیسا ہے؟ ایسے مجہول الذات رواۃ کی روایت کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت اور دینی وقار کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔

بعض دیگر روایات جن میں بیعت نہ کرنے والوں کے لیے وعید اور تہدید کی گئی ہے اور قتل کی سزا کا خوف دلایا گیا ہے ان روایات کی سند میں مذکور ہے کہ قال حدثنی رجل بنخلۃ یعنی مجھے ایک شخص نے نخلہ کے مقام پر بیان کیا۔

یہ رجل مجہول الذات والصفات ہے۔ خدا جانے وہ کیسا شخص ہے؟ کس ذہنیت کا مالک ہے؟ اور کیسے نظریات کا حامل ہے؟ اس قسم کے مجہول رواۃ کی روایات کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام کو گرانا اور ان پر طعن و تشنیع کرنا ہرگز صحیح نہیں۔

اور اس مسئلے کے متعلقہ بعض روایات جو حدیث کی کتابوں میں دستیاب ہوتی ہیں ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس مسئلے میں اپنے خلاف رائے رکھنے والے حضرات کے ساتھ گفتگو پائی جاتی ہے۔ وہاں دونوں فریق کے درمیان خلاف رائے کے درجے تک تکلم اور کلام پایا جاتا ہے اور بعض اوقات اس معاملے میں شدت بھی مذکور ہے جیسا کہ مختلف فیہ مسئلے پر فریقین کے کلام میں شدت آ جایا کرتی ہے اور سخت کلامی تک نوبت پہنچتی ہے، لیکن اس سے زیادہ چیز وہاں مذکور نہیں۔

کسی مسئلے میں اختلاف رائے کا پایا جانا معاشرے کا ایک لازمہ ہے جس سے اجتناب ایک مشکل امر ہے۔ اور بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں کئی مسائل میں اختلاف رائے ہوتا رہا ہے مثلاً:

① صدیقی دور خلافت میں مالک بن نویرہ وغیرہ کے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل کی سزا و جزا کے معاملے میں اختلاف رائے ہوا۔ بعض صحابہ فرماتے تھے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سزا ملنی چاہیے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ یہ واقعہ ایک غلط فہمی کی بنا پر سرزد ہوا ہے فلہذا مالک بن نویرہ وغیرہ کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سزا کے مستحق نہیں۔ چنانچہ جناب صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل درآمد ہوا اور انھوں نے مالک بن نویرہ کی دیت ادا کی اور ان کے قیدیوں کو واپس کر دیا اور ان کا مال و اسباب لوٹا دیا۔[1]

② ابو لولو مجوسی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فوراً بعد اس کے رشتہ داروں اور ساتھیوں کو عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بے قابو اور مغلوب الغضب ہو کر قتل کر دیا تو اس وقت

1 تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۷۰ ج ا تحت واقعہ ہذا در عہد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے قتل کے بدلے اور عوضانہ کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے میں اختلاف واقع ہوا۔ بعض حضرات کی رائے تھی کہ ابولولو کے رشتہ داروں کے قتل کے عوض میں عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے قتل کا بدلہ لیا جانا چاہیے، مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو اس وقت خلیفہ منتخب ہو چکے تھے انھوں نے ان حضرات کی رائے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے ان مقتولین کا معاوضہ اپنی طرف سے ادا کر کے تنازع کو ختم کر دیا۔

اس نوع کے کئی معاملات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ملتے ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے میں اختلاف کا واقع ہونا پایا جاتا ہے۔ اسی طرح استخلاف یزید کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف رائے ہوا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے جواز کے حق میں تھے اور بعض اس معاملے میں خلاف رائے رکھتے تھے (مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، حضرت حسین بن علی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم) ۔ان حضرات میں سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پہلے اختلاف کیا تھا لیکن بعد میں انھوں نے اس معاملے میں موافقت اختیار کر لی تھی اور امت کو مزید خون ریزی سے بچالیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے استخلاف کے مسئلے میں نہ کسی کو زدوکوب کیا ہے، نہ کسی کو قید میں ڈالا ہے، نہ کسی کو قتل کیا ہے اور نہ کسی کو سزا دی ہے۔ مورخین کی روایات پر نظر کر کے معترضین نے یہ تمام مطاعن مرتب کیے ہیں اور ایسی دلکش عبارات میں عوام کے سامنے ان کو پیش کیا ہے کہ اسے پڑھ کر ناواقف شخص حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سب چالاکی ہے، فریب دہی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدظنی پیدا کرنے کی تدبیر ہے اور صحابہ کے ساتھ اپنے بغض و عداوت کا اظہار ہے جس کو یہ لوگ اپنے سینوں میں مستور کیے ہوئے ہیں۔

اس مسئلے کی حقیقت اسی قدر ہے جو ہم نے مندرجات بالا میں ذکر کر دی ہے۔ جس سے ایک منصف مزاج آدمی اصل معاملے کو صحیح طور پر معلوم کر سکتا ہے۔

خودغرضی و مفاد پرستی سے براءت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق معترض لوگ استخلاف یزید کے معاملے کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے قبیلے کے مفاد کی خاطر یہ خودغرضی اور مفاد پرستی کا معاملہ کیا تھا۔ وہ اس معاملے میں مخلص نہیں تھے اور انھوں نے اپنے اقتدار کو محفوظ کرنے کی تدبیر اختیار کی تھی۔

یہ چیز واقعات کے برخلاف ہے اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیانات اس کے خلاف پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ان کے خطبے کا ایک حصہ ناظرین کی خدمت میں ذکر کیا جاتا ہے جو حافظ ذہبی اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے اپنے اپنے مقام پر ذکر کیا ہے۔

((وقال ابوبكر بن أبى مريم عن عطية بن قيس قال خطب معاوية فقال اللهم ان كنت انما عهدت ليزيد لما رأيت من فضله۔ فبلغه ما املت واعنه۔ وان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کنت انما حملنی حب الوالد لولده وانه لیس باهل فاقبضه قبل ان یبلغ ذالك))[1]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا کرتے ہوئے خطبہ میں فرمایا: اے اللہ! میں نے یزید کو اس کی اہلیت کی بنا پر ولی عہد بنایا ہے۔ اس کے متعلق مجھے جو امید ہے اس تک اسے پہنچا دے اور اس کی اعانت فرما۔ اور اگر میں نے محبت پدری کی بنا پر (ولی عہد) بنایا ہے اور وہ اس کا اہل نہیں تو اس مقصد تک پہنچنے سے پہلے اس کی روح قبض فرمالے (اور ولی عہدی کو پورا نہ کر)۔''

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی خودغرضی اور مفاد پرستی کی بنا پر یہ اقدام نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنی رائے میں مخلص اور دیانت دار تھے۔ اس بنا پر وہ مجمع عام میں اس قسم کی دعا کر رہے ہیں۔ اس نوع کے بیانات کے بعد بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا صحابہ و تابعین حضرات کے حق میں مفاد پرستی اور فاسد اغراض کی طعنہ زنی کرنا نہایت ناروا فعل ہے بلکہ ان کی نیت پر حملہ اور ان کے ساتھ سوءظنی کا مظاہرہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ان چیزوں سے اسلام نے ہمیں منع فرمایا ہے۔ (الله الله فی اصحابی۔ لا تتخذوا هم من بعد غرضا...... الخ) یعنی ارشاد نبوی ہے کہ لوگو! میرے اصحاب کے معاملے میں اللہ سے خوف کرو۔ میرے بعد میرے صحابہ کو اعتراضات کا نشانہ نہ بنا لینا۔ جس نے ان سے محبت کی وہ ان کے علم و عمل کے باعث نہیں بلکہ میری محبت کی اساس پر ہے اور جس نے ان سے بغض رکھا وہ ان کے کسی عمل کی بنا پر نہ ہوگا ان کا حقیقت میں مجھ سے بغض ہوگا جس کے باعث وہ ان سے بغض کرنے لگیں گے۔

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۶۷ ج ۲ تحت بیعت یزید
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۸۰ ج ۸ تحت سنہ ۵۶ھ، طبع اول مصر۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شربِ خمر (یعنی شراب پینے) کا شبہ پھر اس کا ازالہ

بعض حلقوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب پینے کا طعن وارد کیا جاتا ہے۔ اس اعتراض کی بنیاد مندرجہ ذیل قسم کی روایات پر ہے:

((حدثنا زيد بن الحباب حدثني حسين حدثنا عبدالله بن بريدة قال دخلت انا وابي على معاوية فاجلسنا على الفراش ثم أتينا بالطعام فاكلنا ثم أتينا بالشراب فشرب معاوية ثم ناول ابي ثم قال ما شربته منذ حرمه رسول الله ﷺ ثم قال معاويةُ كنت اجمل شباب قريش واجوده ثغرا وما شيء كنت اجد له لذة كما كنت اجده وانا شاب غير اللبن او انسان حسن الحديث يحدثني))

''اس کا مفہوم یہ ہے کہ عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ میرا باپ اور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے۔ انھوں نے ہمیں فرش پر بٹھایا پھر ہمارے لیے طعام لایا گیا پس ہم نے کھایا پھر مشروب لایا گیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نوش کیا پھر انھوں نے میرے باپ کو پکڑایا پھر انھوں نے کہا جب سے نبی کریم ﷺ نے اسے حرام کیا ہے میں نے اسے نہیں پیا۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں قریش کے جوانوں میں اجمل تھا اور میرے سامنے کے دانت عمدہ تھے یعنی میں خوبرو تھا۔ میں جوانی کے دور میں اس سے زیادہ لذت والی چیز نہیں پاتا تھا۔ ایک تو دودھ اور دوسرا ایسا انسان جو مجھے عمدہ گفتگو بیان کرے (یہ دونوں چیزیں میرے لیے پسندیدہ تھیں)۔''

اس روایت میں ''فشرب معاوية'' کے لفظ سے مخالفین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شراب خوری کا طعن تجویز کیا ہے۔

الجواب

یہ واضح بات ہے کہ معترض لوگ اصل چیز سے چشم پوشی کر کے اپنے زعم کے مطابق اعتراض پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاندین مخالفین نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب اس مقام پر اعتراض ہذا رفع کرنے کے لیے چند چیزیں ہم ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں بنظر انصاف اگر توجہ فرمائیں گے تو مسئلہ صاف ہو جائے گا اور اعتراض مندفع ہو گا۔

سند کے اعتبار سے بحث

① پہلی بات یہ ہے کہ روایت ہذا کے اسناد میں ایک راوی ''حسین بن واقد مروزی'' ہے اس کے متعلق علماء نے وثاقت ذکر کی ہے مگر ساتھ ہی یہ چیز بھی لکھی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے پاس حسین بن واقد کی مرویات کا ذکر ہوا تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی مرویات کیا چیز ہیں، کچھ بھی نہیں اور اس کی مرویات کی بے وزنی بیان کرتے ہوئے ہاتھ کو جھاڑ دیا۔

۱۔ فاضل عقیلی رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کا قول ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

((ذکر ابوعبداللہ حسین بن واقد فقال واحادیث حسین ما أری أی شیء ھی؟ ونفض یدہ))[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

۲۔ ((وربما أخطأ فی الروایات قال احمد فی احادیثہ زیادۃ ما ادری ای شیء ھی؟ ونفض یدہ))

((قال احمد احادیثہ ما ادری ای شیئ ھی))[2]

۳۔ ((ثقۃ لہ اوھام))[3]

۴۔ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال اور المغنی میں وثاقت ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

((واستنکر احمد بعض حدیثہ...... الخ))[4]

راوی پر اس طرح نقد پائے جانے کے بعد روایت کا وزن جس درجے کا رہ جاتا ہے وہ اہل علم وفن پر واضح ہے۔

② بالفرض اس سند میں نقد کا اعتبار نہ کیا جائے اور اس سے صرف نظر کر لی جائے تو بھی اس روایت کے متن کے متعلق اتنا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ اس کی عبارت کا مفہوم واضح نہیں اور معنی کے اعتبار سے مفہوم میں تدافع پایا جاتا ہے۔

۱؎ ضعفاء الکبیر (عقیلی) ص ۲۵۱ ج ۱ تحت حسین بن واقد المروزی

۲؎ تہذیب التہذیب ص ۳۷۴ ج ۲ تحت حسین بن واقد المروزی

۳؎ تقریب التہذیب ص ۱۱۴ تحت الحسین بن واقد (طبع لکھنؤ)

۴؎ میزان الاعتدال ص ۵۴۹ ج ۱ تحت الحسین بن واقد، طبع بیروت
المغنی (ذہبی) ص ۱۷۶ ج ۱ تحت حسین بن واقد (طبع حلب)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہ یہ ہے کہ لفظ "ثم ناول ابی" کے بعد "ثم قال" مذکور ہے۔ اس "قال" کا فاعل اگر لفظ "ابی" کو بنایا جائے تو "ثم قال" کے بجائے نحوی لحاظ سے "فقال" ہونا چاہیے۔ اور اگر "ثم قال" کا فاعل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بنایا جائے تو روایت کا مفہوم باہم متعارض بن جاتا ہے اس وجہ سے کہ ماقبل میں شرب معاویۃ موجود ہے پھر یہ کہنا کہ ما شربة منذ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اس سے متعارض مفہوم تیار ہوتا ہے۔

نیز اہل علم کی توجہ کے لیے یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ روایت ہذا "مصنف ابن ابی شیبہ" میں بعض دیگر الفاظ کے ساتھ اس طرح مذکور ہے اور واقعہ ایک ہی ہے:

((حدثنا عبداللہ بن بریدۃ قال دخلت انا وأبی علی معاویۃ فاجلس أبی علی السریر واوتی بالطعام واطعمنا واوتی بشراب فشرب فقال معاویۃ ما شیء کنت استلذہ وانا شاب فاخذہ الیوم الا اللبن فأخذہ کما اخذہ قبل الیوم الیوم والحدیث الحسن))[1]

مذکورہ روایت کے متن اور مصنف ابن ابی شیبہ و دیگر محدثین کے متن روایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ثم قال ما شربة منذ حرمه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات رواۃ کی طرف سے مدرج اور الحاقی ہیں۔ ان کلمات کو عبارت سے الگ کر لیا جائے تو متن روایت میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا اور مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ قابل اعتراض روایت کی تعبیر اپنے معنی کے لحاظ سے غیر واضح ہے اور ناقلین کے تصرف سے خالی نہیں۔ اسی بنا پر فاضل ہیثمی نے مجمع الزوائد میں یہ روایت ذکر کرتے وقت قابل اشکال کلمات کو حذف کر دیا اور آخر میں لکھا کہ وفی کلام معاویۃ شیء ترکتہ[2]

③ درایت کے اعتبار سے

اس کے بعد ہم دوسرے طریقے سے اس مسئلے پر کلام کرنا چاہتے ہیں:

ایک بات تو یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام کتاب اللہ کے حامل اور عامل تھے اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو قائم کرنے والے اور فرمان نبوی پر عمل کرنے والے تھے۔ کتاب اللہ اور احادیث اس مضمون پر دال ہیں۔ بنا بریں صریح حکم شرعی کی خلاف ورزی کوئی صحابی بھی نہیں کرتا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو مشاہیر صحابہ میں سے ہیں اور خلیفۃ المسلمین کے منصب پر فائز ہیں وہ حرام فعل کے کیسے مرتکب ہوئے اور انھوں نے

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴-۹۵ ج ۱۱ تحت ما ذکر من حدیث الامراء والدخول علیہم (طبع کراچی)

[2] مجمع الزوائد ص ۴۲ ج ۵ کتاب الاطعمہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرعی مسئلے کا کیسے خلاف کر دیا؟ حالانکہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حرمت خمر پر کئی روایات اور احادیث منقول ہیں مثلاً:

① ((عن یعلی بن شداد بن اوس سمعت معاویة یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول کل مسکر حرام علی کل مؤمن))[1]

② ((عن معاویة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ من شرب الخمر فاضربوه وان عاد فاضربوه وان عاد فاضربوه فان عاد فاقتلوه))[2]

''ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سماعت کیا آپ نے فرمایا کہ ہر نشہ دینے والی چیز ہر مومن پر حرام اور ناجائز ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص شراب خوری کرے اس کو (حد) لگاؤ۔ اگر پھر یہ فعل کرے تو اس کو (حد) لگاؤ۔ اور اگر پھر یہ فعل کرے تو اس کو (حد) مارو۔ (اور پھر چوتھی مرتبہ وعیداً اور تہدیداً فرمایا) کہ اگر پھر یہ فعل کرے تو اس کو مار ڈالو۔''

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حرمت خمر کی روایات خود نقل کرنے والے ہیں اور نبی اقدس ﷺ سے شراب خوری کی وعیدیں خود سماعت کر چکے تھے اور کاتب نبوی اور منشی رہ چکے ہیں فلہٰذا یہ مسئلہ ان پر مخفی نہیں تھا اور انھوں نے ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ہرگز عمل درآمد نہیں کیا۔ یہ تو ان کے مقام دیانت کے خلاف ہے۔

(۲) فقہی قواعد

① قابل اعتراض روایت مذکورہ بالا کا جواب علمائے کرام اس قاعدے کے اعتبار سے بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر وہ روایت جو مورد اعتراض ہے درست تسلیم کر لی جائے تو وہ فعلی ہے اور یہ ابن ماجہ و مسند احمد وغیرہ کی روایات قولی ہیں فلہٰذا قولی اور فعلی کے تعارض کی صورت میں قولی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

② نیز یہ روایات جو اَب ذکر کی گئی ہیں محرم ہیں اور قابل اعتراض روایت مبیح ہے۔ محرم اور مبیح روایات کے تقابل کی صورت میں محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ ص ۲۵۱، ابواب الاشربہ باب کل مسکر حرام (طبع دہلی)

[2] مسند امام احمد ص ۹۷ ج ۴ تحت مسندات معاویہؓ
موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان (نور الدین ہیثمی) ص ۳۶۴ باب ماجاء فی شارب الخمر
السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۳۱۳ ج ۸ کتاب الاشربہ والحد فیہا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رفع اشتباہ

اگر کوئی ناواقف شخص یہ اعتراض کرے کہ راوی کا عمل جب اپنی مروی روایت کے خلاف پایا جائے تو وہ قواعد کے اعتبار سے قابل اعتراض اور لائق طعن ہے تو اس کے متعلق جواب یہ ہے کہ علمائے اصول حدیث و فقہ نے قاعدہ ذکر کیا ہے کہ

۱۔ ((وان کان قبل الروایة او لم یعرف تاریخه لم یکن جرحا))[۱]

۲۔ ((قال فی التوضیح وان عمل بخلافه قبلها او لم یعلم التاریخ لا یجرح))[۲]

''مطلب یہ ہے کہ اگر روایت کنندہ کا عمل روایت کرنے سے قبل اپنی مروی کے خلاف پایا گیا یا اس کے عمل کا قبل الروایت ہونا یا بعد الروایت ہونا متعین نہیں ہو سکا تو اس صورت میں یہ چیز راوی کے حق میں قابل طعن نہیں ہے۔''

۳۔ نیز یہ چیز قابل توجہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام اور اکابر ہاشمی حضرات مثلاً حسنین شریفین، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم وغیرہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے تھے اور ان کے ہدایا اور وظائف قبول اور وصول کرتے تھے اور اس دور کی جہاد کی مساعی میں شامل رہتے تھے۔[۳]

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شراب خوری کے مرتکب تھے تو ان حضرات نے کیوں منع نہیں کیا؟ اور ان کے ساتھ دینی و دنیوی تعلقات کیوں استوار رکھے؟ کیا یہ حضرات ایک گناہ اور ظلم پر تعاون کرتے رہے؟ اور ظلم پر تعاون کے مرتکب ہوئے؟ کیا یہ آیات ان کے پیش نظر نہیں تھیں:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ

④ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ''ہادیاً مہدیاً'' کے الفاظ کے ساتھ دعا دے کر مشرف فرمایا ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں یقیناً منظور ہوئیں۔

اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب خوری کا اعتراض درست ہے تو وہ قوم کے لیے ''ہادی'' اور اپنے

---

۱ نور الانوار تحت بیان طعن یلحق الحدیث

۲ بذل المجہود شرح ابی داود ص ۸ ج ۲ بحث رفع الیدین

۳ مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۹۵ تا ۲۰۹ (مؤلف کتاب ہذا)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑤ بالفرض اگر قابل اعتراض روایت مذکورہ کو کسی درجے میں تسلیم کر لیا جائے تو اس کا محمل اور مفہوم یہ ہوگا کہ وہ چیز جو ان حضرات نے نوش فرمائی وہ خمر نہیں تھا جو شرعاً حرام ہے اور ناجائز ہے بلکہ وہ اس دور میں ایک قسم کا مشروب تیار کیا جاتا تھا اور وہ مسکر نہیں ہوتا تھا اور بطور مقوی غذا کے بعض اوقات اس کو استعمال میں لاتے تھے اور راوی کی تعبیر نے اس چیز کو ایسے الفاظ میں نقل کیا ہے کہ جس سے اس کے حرام ہونے کا شبہ پیدا کر لیا گیا۔

نبیذ کا استعمال اکابرین امت کی نظر میں

مذکورہ مقوی غذا جو ہم نے ذکر کی ہے وہ نبیذ تھی[1] اور اس دور میں نبیذ تمر (کھجور) سے تیار کی جاتی تھی اور بعض اوقات منقی اور شہد سے بھی بنائی جاتی تھی اور نبیذ شرعاً حلال تھی۔ اس دور میں اکابر حضرات اس کی حلت کی بنا پر ہی استعمال فرماتے تھے۔

فقہائے کرام نے شرب نبیذ کے واقعات میں حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی المرتضیٰ وغیرہم رضی اللہ عنہم کے اسماء ذکر کیے ہیں۔ مقام ذیل ملاحظہ فرمائیں۔[2]

نیز اس مقام پر خصوصی طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد شریف اور حسن بصری رحمہ اللہ کے متعلق علماء نے ذکر کیا ہے:

① ایک شخص موسیٰ بن طریف اپنے والد سے نقل کرتا ہے (طریف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیت المال کا منشی تھا) وہ کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبیذ نوش فرمایا جو سبز رنگ کے مٹکے سے لیا گیا تھا۔

۱۔ ((عن موسیٰ بن طریف عن ابیه قال وکان علی بیت مال علی بن ابی طالب ان علیا شرب نبیذ جرة خضراء))[3]

۲۔ اور علماء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کے متعلق شرب نبیذ کا ذکر کیا ہے کہ وہ مٹکے سے نبیذ نوش فرمایا کرتے تھے۔

((عن منذر الثوری عن ابن الحنفیة انه کان یشرب نبیذ الدن))[4]

② اسی طرح حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے متعلق مذکور ہے کہ خالد بن بسیط کہتے ہیں کہ ایک دعوت طعام کا اہتمام کیا گیا اس میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بھی مدعو تھے پس ہم سب لوگوں نے کھانا کھایا اور اس

---

[1] قوله النبیذ: التمر ینبذ فی جرة الماء او غیرها ای یلقی فیها حتی یغلی وقد یکون من الزبیب والعسل (المغرب للمطرزی) ص ۱۹۶ ج ۲ تحت النبیذ، طبع دکن۔

[2] المبسوط (شمس الائمہ سرخسی) ص ۷ تا ۱۳ ج ۲۴ کتاب الاشربہ (طبع مصر)

[3] طبقات ابن سعد ص ۱۷۱ ج ۶ تحت طریف طبع لیڈن

[4] طبقات ابن سعد ص ۸۵ ج ۵ تحت محمد بن حنفیہ طبع لیڈن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد پینے کے لیے نبیذ لایا گیا تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے نوش کیا اور ہم نے بھی پیا۔

((حدثنا ابو العریان خالد بن بسیط قال دعینا الی دعوۃ فیھا الحسن البصری فاکلنا فاتی بنبیذ فشرب الحسن و شربنا))[1]

④ نیز قدیم مورخ و محدث یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں مندرجہ ذیل کلام ذکر کیا ہے یہ بھی اس مسئلے کی وضاحت کے لیے بڑا بین ثبوت ہے:

((سمعت یحیی (بن معین) یقول سمعت یعقوب بن ابراھیم بن سعد عن ابیہ قال اخبرنی من رأی بریدۃ بن سفیان یشرب الخمر فی طریق الری۔ قال یحیی وقد روی محمد بن اسحق عن بریدۃ بن سفیان ھذا۔ قال ابو الفضل: اھل المدینۃ ومکۃ یسمون النبیذ خمرا والذی عندنا انہ رأی بریدۃ یشرب نبیذا فی طریق الری فقال رأیتہ یشرب خمرا))[2]

"یعنی یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یعقوب بن ابراہیم سے سنا وہ اپنے والد سے ذکر کرتے تھے کہ مجھے اس شخص نے خبر دی ہے جس نے بریدہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کو طریق الری میں خمر پیتے ہوئے دیکھا۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق نے بریدہ بن سفیان سے اس چیز کو روایت کیا۔ اور ابو الفضل کہتے ہیں کہ اہل مدینہ اور اہل مکہ نبیذ پر خمر کا اطلاق کرتے تھے اور نبیذ کو خمر کہہ دیتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ بریدہ رضی اللہ عنہ کو جو طریق الری میں نبیذ پیتے دیکھا گیا ہے اسی کو دیکھنے والے نے خمر کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔"

حاصل یہ ہے کہ اس دور میں نبیذ پر خمر کا اطلاق ہوتا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ واقعات مذکورہ بالا کے ذریعے سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ طعام کے بعد بعض اوقات بعض مقوی مشروب استعمال کیے جاتے تھے جن میں سے ایک نبیذ ہے جو شرعاً حلال اور جائز ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق جو واقعہ معترضین پیش کرتے ہیں اس میں بھی مشروب اسی نوعیت کا تھا جو شرعاً جائز تھا۔ شراب نوشی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی نہیں کرتا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس طعن کا مورد صرف عناد کی بنا پر قرار دیا گیا ہے۔

---

1. کتاب الکنی دولابی ص ۳۰ ج ۲ تحت کنیت ابو العریان طبع حیدر آباد دکن۔
2. تاریخ یحییٰ بن معین ص ۷۰ ج ۳ المتوفی ۲۳۳ھ طبع ام القریٰ مکہ مکرمہ
تاریخ یحییٰ بن معین ص ۳۹۶ ج ۳ تحت روایت نمبر ۱۹۲۳ طبع ام القریٰ مکہ مکرمہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسم معاویہ پر طعن پھر اس کا جواب

بعض حلقوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ''معاویہ'' کے معنی آواز کرنے والی سگ مادہ کے ہیں۔ اس کے جواب کے لیے ذیل میں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں جن کے ملاحظہ کر لینے سے شبہ بالا رفع ہو جاتا ہے:

① سب سے پہلے اس کے لغوی معنی اور مادہ کے اعتبار سے بعض چیزیں پیش کی جاتی ہیں اس کے بعد دیگر امور پیش خدمت ہوں گے۔

اہل لغت نے لکھا ہے کہ ''معاویہ'' اگر معروف بلام ہو تو اس کا معنی ''سگ مادہ آواز کنندہ'' (بھونکنے والی کتیا) کے ہیں اور بغیر الف لام کے لوگوں کے نام کے طور پر مستعمل ہے جیسے معاویہ بن ابی سفیان اور اس کو اصطلاح لغت میں ''اسم منقول عنہ'' کہتے ہیں۔[1] صاحب قاموس مجد الدین فیروز آبادی رحمہ اللہ نے اسی مقام پر اسی مادہ (عوی) سے ایک محاورہ دعاواھم ای صایحھم (یعنی اس شخص نے لوگوں کو آواز دی) بھی ذکر کیا ہے۔[2] اس محاورہ کے اعتبار سے ''معاویہ'' کا معنی ''لوگوں کو آواز دینے والا'' بھی درست ہے۔

یاد رہے کہ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیدا کرے کہ اسم ''معاویہ'' میں ''ۃ'' تانیث ہے تو مذکورہ بالا محاورہ اس میں کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ تو اس شبہ کو رفع کرنے کے لیے یہ پیش کر دینا کافی ہے کہ رجال کے اسماء اور اعلام میں بعض دفعہ ''ۃ'' تانیث کے لیے نہیں ہوتی جیسے "یا ساریة الجبل" میں اسم ''ساریہ'' ایک معروف شخص کا مشہور نام ہے۔ اس طرح طلحہ، عکرمہ وغیرہ بھی اعلام و اسماء الرجال مذکر ہیں اور ان میں ''ۃ'' پائی جاتی ہے جو کسی طرح بھی تانیث پر دلالت نہیں کرتی۔ اسی طرح اسم "معاویة" میں ''ۃ'' تانیث کے لیے نہیں ہے۔

نیز اہل لغت کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ اسماء اور اعلام میں ان اسماء کے اصل مادہ کا لغوی معنی مراد نہیں

---

۱ القاموس ص ۸۹۶ طبع قدیم تحت مادہ عوی

تاج العروس ۲۵۹-۲۶۰ ج ۱۰ طبع بیروت تحت مادہ عوی۔

۲ القاموس ص ۸۹۶ طبع قدیم تحت عوی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیا جاتا اور علم بن جانے کی صورت میں لغوی معنی اور اس کا اصل مفہوم متروک ہو جاتا ہے مثلاً عباس اور جعفر جب کہ علم (اسماء) ہوں تو ان کے لغوی معنی اور مفہوم مراد نہیں لیے جاتے۔ کیونکہ ''عبوسیت'' کا لغوی معنی ''برا منہ بنانا'' اور تیوری چڑھانا ہے اور اسی طرح ''جعفر'' کا لغوی معنی ''شتر'' بھی ہے جب کہ عباس اور جعفر اکابر بنی ہاشم حضرات کے اسماء ہیں اور ان کا لغوی معنی و مفہوم کبھی مراد نہیں لیا جاتا۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نسب شریف میں یعنی ساتویں پشت میں ایک نام کلاب ہے جو مرہ کا بیٹا ہے، وہاں بھی لغوی معنی مراد نہیں بلکہ وہ مفہوم متروک ہے۔ ٹھیک اسی طرح حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے نام میں لغوی معنی و مفہوم مراد نہیں لیا جاتا۔

اعلام (اسماء) میں طریق کار نبوی

مزید گزارش یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ قبیح اسماء کو تبدیل فرما دیا کرتے تھے چنانچہ وہ اسماء جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرمائے ان میں سے چند ایک بطور نمونہ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

① ایک لڑکی یعنی (بنت عمر بن خطاب) کا نام ''عاصیہ'' تھا اس کا نام آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کرتے ہوئے فرمایا "انت جمیلة"

② ایک لڑکی کا نام ''برہ'' تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کا نام ''زینب'' رکھو "سموھا زینب"

③ ایک شخص سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے نام دریافت فرمایا تو اس نے کہا ''حزن''۔ آپ نے فرمایا "انت سھل"

④ محدثین نے ذکر کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''العاص'' کا نام تبدیل فرما دیا تھا۔ اسی طرح عتلہ، شیطان اور غراب وغیرہم جیسے متعدد اسماء تبدیل فرمائے۔

⑤ ایک شخص عبد شر جناب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جنابؐ نے ارشاد فرمایا تیرا نام عبد خیر ہے۔[1]

مطلب یہ ہے کہ اگر معاویہ نام قبیح تھا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حسب دستور اس کو تبدیل فرما دیتے لیکن اسے تبدیل نہیں فرمایا۔ یہ چیز اس کے صحیح ہونے کی تائید ہے اور اس کو محدثین کی اصطلاح میں تقریر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

''معاویہ'' نام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں

نیز نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام ''معاویہ'' تھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] ابوداود شریف ص ۳۲۹ ج ۲ کتاب الادب باب فی تغیر الاسم القبیح، طبع دہلی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی زبان مبارک پر اسی اسم کو استعمال فرمایا اور اسے تبدیل نہیں فرمایا۔ لہٰذا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا ان اصحاب کے نام ''معاویہ'' کو تبدیل نہ فرمانا صحت اسم کی قوی دلیل ہے۔ ذیل میں بطور مثال چند ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے اسمائے گرامی ''معاویہ'' تھے:

① معاویہ بن ثور بن عبادہ بن بکاء العامری البکائی۔

② معاویہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف۔[1]

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے الاصابہ میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ''معاویہ'' کے نام سے ذکر کیے ہیں۔ اسی طرح حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے تجرید اسماء الصحابہ میں بہت سی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ''معاویہ'' نام سے ذکر کی ہے۔[2]

صاحب ''تاج العروس'' نے لکھا ہے کہ ''معاویہ'' نام کے سترہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ پائے جاتے تھے۔

((والمسمی بمعاویة سواه من الصحابة سبعة عشر رجلا))[3]

بصورت الزام شیعہ حضرات کی کتب میں ''معاویہ'' بطور اسماء الرجال

① معاویہ صحابی رسول

معاویة بن الحکم اسلمی عده الشیخ فی رجاله من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

② معاویہ شاگرد امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ

معاویة بن صعصعة ابن اخی لاحنف: عده الشیخ فی رجاله من اصحاب امیر المومنین

③ معاویہ ہاشمی حضرات میں

معاویة بن عبدالله بن جعفر الطیار: ذاك ولد بعد وفات امیر المومنین[4]

④ معاویہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے شاگردوں میں

① معاویة بن سعید الکندی الکوفی: عده الشیخ فی رجاله تارة مثل ما فی

---

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۰ ج ۳ تحت اسمہ معاویہ

[2] تجرید اسماء الصحابہ ص ۸۹، ۹۰ ج ۲ تحت اسماء معاویہ

[3] تاج العروس (زبیدی) ص ۲۵۹، ۲۶۰ ج ۱۰ تحت مادہ عوی

[4] عمدۃ الطالب ص ۳۸ تحت عقب جعفر طیار

تنقیح المقال (مامقانی) ص ۲۲۲ ج ۳ تحت باب معاویہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

العنوان فی اصحاب الصادق

② معاویة بن سلمة النضری: عده الشیخ من رجال الصادق[1]

مندرجہ بالا مقامات پر معاویہ کا نام مستعمل ہے اور اس پر کسی قسم کا طعن معترضین نہیں کیا کرتے تو امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو کیوں مطعون کیا جاتا ہے اس حکمت عملی کی وجہ کیا ہے؟

ایک لطیفہ

ناظرین کرام نے مذکورہ بالا اسماء کو شیعہ کتب سے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے ایک فرزند کا نام معاویہ تھا۔ یہاں ہم ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لیے ایک لطیفہ پیش کرتے ہیں جو شیعہ کے اکابر علماء نے اس مقام پر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ کتاب عمدۃ الطالب میں جمال الدین ابن عنبہ شیعی ذکر کرتے ہیں کہ

((فولد عبدالله عشرين ذكرا وقيل اربعة وعشرين منهم معاوية بن عبدالله كان وصى أبيه وانما سمى معاوية لان معاوية بن ابى سفيان طلب منه ذالك۔ فبذل له مائة الف درهم وقيل الف الف))[2]

''یعنی عبداللہ کے بیس یا چوبیس لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک کا نام معاویہ بن عبداللہ تھا اور وہ اپنے باپ کے ''وصی'' تھے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ امیر معاویہ بن ابی سفیان نے عبداللہ بن جعفر کو ایک لاکھ درہم اور بقول بعض دس لاکھ درہم دیے تا کہ وہ اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھے۔''

(فلہٰذا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھا۔)

مندرجہ بالا روایت کی روشنی میں اکابر شیعہ کے نزدیک آل ابی طالب حضرات کی یہی کچھ حیثیت ہے کہ وہ چند دراہم لے کر اپنی اولاد کے اسماء اپنے دشمنوں کے نام کے مطابق رکھ دیتے تھے (سبحان اللہ)

یہ چیز واضح طور پر ہاشمی حضرات کی کردار کشی ہے جو شیعہ کے اکابر علماء نے بڑے عجیب طریقے سے درج کر دی ہے مگر یہ چیز ہمارے نزدیک ہرگز صحیح نہیں۔

علمائے انساب کے نزدیک

علمائے انساب نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی رملہ کا نکاح اور شادی مروان بن حکم کے لڑکے معاویہ کے ساتھ ذکر کی ہے۔ عبارات ذیل ملاحظہ فرمائیں:

① ((وتزوج (معاوية بن مروان بن الحكم) رملة بنت على بن ابى طالب بعد

---

[1] تنقیح المقال (مامقانی) ص ۲۲۳-۲۲۴ ج ۳ تحت باب معاویہ

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۸ تحت عقب جعفر طیار طبع ثانی نجف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابی الھیاج عبداللہ بن أبی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب))[1]

② رملہ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہا ابو ہیاج کے نکاح میں تھیں، اس کے بعد

((ثم خلف علیھا معاویۃ بن مروان بن الحکم بن ابی العاص))[2]

مذکورہ بالا ہر دو حوالہ جات سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی رملہ کا معاویہ بن مروان کے نکاح میں ہونا بین طور پر ثابت ہے۔ فلہٰذا معاویہ کا نام قابل طعن و تشنیع نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ ائمہ کرام کی اولاد، رشتہ داروں، تلامذہ اور خدام وغیرہ میں معاویہ کا نام مروج و مستعمل اور متداول ہے۔ ان حقائق کے بعد حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے نام پر اعتراض وطعن قائم کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ انصاف درکار ہے۔

---

[1] جمہرۃ انساب العرب (ابن حزم) ص ۸۷ تحت اولاد حکم بن ابی العاص

[2] نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۴۵ تحت ولد علی بن ابی طالب۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدم فضیلت کا شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن تجویز کرنے والے دوستوں کی طرف سے یہ چیز بڑے آب و تاب سے پیش کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی روایت صحیح دستیاب نہیں ہوتی۔ اس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام کو اسلام میں کوئی صحیح اہمیت نہیں اور نہ ان کے حق میں زبان نبوت سے کوئی شرف منقول ہے۔

ازالہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب، شرف و مدائح، کردار و اخلاق اور اسلامی خدمات وغیرہ کے متعلق ان شاء اللہ تعالیٰ ایک مستقل تصنیف زیر تالیف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو وہاں حتی المقدور ان مسائل کو بیان کرنے کا قصد ہے۔ اب سر دست اس مقام پر چند ایک فضائل و مناقب اختصاراً و اجمالاً پیش خدمت ہیں جو بطور نمونہ ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان سے مندرجہ بالا عدم صحت فضیلت کے شبہ کا ازالہ ہو سکے گا اور ان پر توجہ فرما لینے سے مسئلہ ہذا واضح ہو جائے گا۔ اور مزید اشیاء بھی جو اس مقام کے متعلق ہیں وہ بھی پیش کی جاتی ہیں ان کو بغور ملاحظہ فرماویں۔

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اثبات فضیلت کے لیے پہلے یہ چیز پیش کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قبل از فتح مکہ اور بقول بعض فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور ان کا اسلام لانا سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں قبول ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اظهرت اسلامی فجئته فرحب لی[1] یعنی میں اسلام لایا پس آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں ''مرحبا'' کا کلمہ ارشاد فرمایا۔

نیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مقدس میں بہت سے اہم امور میں شریک رہے اور متعدد مناصب اور اعزازات کے شرف سے مشرف ہوئے مثلاً:

ا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کے

[1] البدایہ ص ۱۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مواقع نصیب ہوئے۔ یہ ان کے قبول اسلام کی بہت بڑی علامت ہے اور نشر اسلام کے لیے واضح مساعی ہیں۔ اس کی تفصیلات اپنے مقام پر پائی جاتی ہیں مثلاً غزوہ حنین و طائف میں شمولیت و شرکت کرنا۔ ان کے اعادہ کا یہ موقع نہیں ہے کیونکہ یہ چیز مسلمات میں سے ہے۔

۲۔ دوسری چیز یہ ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو ''کاتبین نبوی'' میں شامل کیا گیا اور عہدہ کتابت وحی و غیر وحی کی اہم ذمہ داری دربار نبوت سے ان کو نصیب ہوئی۔ جیسا کہ علمائے کرام نے اس مسئلے کو اپنی جگہ پر وضاحت سے درج کیا ہے[1] اور ہم نے اس مسئلے کی تفصیل بقدر ضرورت اپنی کتاب ''مسئلہ اقربانوازی'' کے ص ۱۳۶-۱۳۷ پر ذکر دی ہے۔ رجوع فرما کر تسلی کی جا سکتی ہے۔

۳۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کو بعض انتظامی امور پر بھی مامور فرما کر روانہ فرمایا کرتے تھے مثلاً وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ یمن کے ایک مقام حضر موت میں اراضی کا ایک قطعہ عنایت فرمانے کا قصد فرمایا تو اس اہم کام کے لیے آنجناب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تاکہ آپ وہاں پہنچ کر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو اراضی کا مناسب قطعہ سپرد کر دیں۔

یہ خصوصی اعتماد اور وثوق کی علامت ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انتظامی امور میں طبعی صلاحیت کا واضح ثبوت ہے اور ان کے حق میں بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

((فبعث رسول الله صلى الله عليه وسلم معی معاوية بن ابی سفيان قال وأمره أن يعطينی ارضا فيدفعها الی))[2]

۴۔ نسبی روابط

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خاندان کے ساتھ نسبی روابط ہیں جو

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۶۴ ج ۱ تحت تسمیۃ من کتب لہ
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۷ ج ۹ باب معاویہ
زاد المعاد (ابن قیم) ص ۳۰ ج ۱ فصل فی کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم (طبع قدیم)
تاریخ یعقوبی شیعی ص ۸۰ ج ۲ تحت کتاب النبی

[2] تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۱۷۵-۱۷۶ ج ۴ قسم ثانی تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
صحیح ابن حبان ص ۱۶۶، ۱۶۷ ج ۹، ۱۰ تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۴۲۵ ج ۳ باب الواؤ تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
مشکوۃ شریف ص ۲۵۹ الفصل الثانی باب احیاء الموات الشرب (بحوالہ ترمذی و دارمی)
مزید حوالہ جات مسئلہ اقربانوازی ص ۶۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمات میں سے ہیں مثلاً:

(الف) جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا (جن کا اسم گرامی رملہ ہے) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہر اور ہمشیر ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برادر نسبتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔[1]

(ب) علمائے انساب نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ''ہم زلف'' (سانڈھو) بھی ہیں۔ کیونکہ جناب ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیر جن کا نام ''قریبۃ الصغریٰ'' ہے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں مگر ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔[2]

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ مزید رشتہ داریاں بھی ہیں جن کو ہم نے کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' کے ص ۱۲۶-۱۲۷ کے تحت درج کر دیا ہے اور کتب انساب سے حوالہ جات ساتھ ذکر کر دیے ہیں۔

مذکورہ بالا چند ایک امور فضیلت نمونہ کے طور پر ذکر کر دیے ہیں۔ تمام فضائل کا احاطہ کرنا یہاں مقصود نہیں۔

② فضیلت کی صحیح روایت کے فقدان کا جواب

بعض اہل علم کی طرف سے کتابوں میں یہ قول دستیاب ہے کہ لم یصح فی فضل معاویۃ شیء اور عدم فضیلت کے طعن کا مدار اس نوع کے اقوال پر ہے۔ یہ قول بعض اہل علم کا ہے۔ نہ فرمان نبوی ہے نہ صحابہ کا فرمان ہے نہ تابعی کا نہ جمہور علمائے امت کا یہ بیان ہے بلکہ یہ اس عالم کا اپنا ذاتی خیال ہے۔ اور شاذ قول کے درجہ میں ہے اس وضاحت کے بعد اس مسئلے کے متعلق علمائے کرام نے جو چیزیں ذکر کی ہیں ذیل میں ایک ترتیب سے ذکر کی جاتی ہیں۔

ناظرین باتمکین کی خدمت میں گزارش ہے کہ مندرجہ بالا اشیاء جو ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں ان میں سے ہر ایک مستقل فضیلت کا باب ہے۔ اگر بالفرض فضیلت کی کوئی دیگر روایت صحیح دستیاب نہ بھی ہو تب بھی مذکورہ اشیاء حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف کے اثبات میں اور ان کے اعزاز یافتہ ہونے میں کسی طرح کم نہیں۔ تاہم مندرجہ بالا قول عدم صحت فضیلت کے جواب میں علمائے کرام نے لکھا ہے کہ قائل کی ''عدم صحت روایت'' سے کیا مراد ہے؟

اگر عدم صحت روایت سے مراد یہ ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں تو یہ قول درست نہیں کیونکہ متعدد روایات جو درجہ حسن میں ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں موجود اور ثابت ہیں

---

1. مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۲۶-۱۲۷ پر حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔
2. مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۲۷ بحوالہ کتاب المحبر ص ۱۰۲ طبع دکن۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ ان کا اسناد اصطلاحی صحت کے درجے سے کم ہے۔ اور جو روایات درجہ حسن میں ہوں وہ محدثین کے نزدیک مقبول ہیں اور ان سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ عند العلماء تسلیم شدہ ہے۔ فلہٰذا حسان روایات کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں پایا جانا عدم صحت روایت کے قول کے جواب میں کافی ہے۔

چنانچہ مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

((فان ارید بعدم الصحة عدم الثبوت فهو مردود لما مر بين المحدثين فلا ضير فان فسحتها ضيقة وعامة الأحكام والفضائل انما تثبت بالاحاديث الحسان لعزة الصحاح ولا ينحط ما فى المسند والسنن عن درجة الحسن))[1]

اور کبار علماء نے متعدد روایات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں درج کی ہیں جن کو درجہ حسن میں شمار کیا جاتا ہے مثلاً:

۱۔ ((يقول (عرباض بن سارية السلمى رضی اللہ عنہ) سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول: اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب))[2]

"یعنی عرباض بن ساریہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کے حق میں فرماتے تھے کہ اے اللہ! اس کو حساب و کتاب کا علم عنایت فرما اور عذاب سے محفوظ فرما۔"

۲۔ ((عبدالرحمن بن عميرة المزنى رضی اللہ عنہ يقول: سمعت النبى صلی اللہ علیہ وسلم يقول فى معاوية بن ابى سفيان: اللّهم اجعله هاديا مهديا واهده واهد به)) قال الترمذى حديث حسن غريب۔[3]

---

[1] الناہیہ عن ذم معاویہ ص ۳۴ فصل فی الاجوبۃ عن مطاعنہ (عبدالعزیز پرہاروی) طبع ملتان

[2] فضائل الصحابہ (امام احمد) ص ۹۱۳-۹۱۴ ج ۲ تحت فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ
مسند امام احمد ص ۱۲۷ ج ۴ تحت مسندات عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ عنہ
صحیح ابن حبان ص ۱۶۹-۱۷۰ ج ۹ تحت ذکر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
موارد الظمآن، نور الدین ہیثمی ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۳۴۵ ج ۲
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۶ ج ۹ باب ما جاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[3] التاریخ الکبیر (امام بخاری) ص ۳۲۷ ج ۴ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
کتاب فضائل الصحابہ (امام احمد) ص ۹۱۳-۹۱۴ ج ۲ تحت فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ
موارد الظمآن (نور الدین ہیثمی) ص ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۹ بحوالہ ترمذی شریف باب جامع المناقب الفصل الثانی
ترمذی شریف ص ۵۴۷ ابواب المناقب، تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، طبع لکھنؤ (قال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یعنی عبدالرحمٰن بن عمیرہ مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے حق میں ارشاد فرماتے سنا: اے اللہ! معاویہ کو ہادی اور ہدایت یافتہ فرما، اس کو ہدایت دے اور اس کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت فرما۔"

۳۔ ((عن أبی ادریس الخولانی عن عمیر بن سعد قال: لا تذکروا معاویۃ الا بخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اللھم اھدہ))[1]

"یعنی عمیر بن سعد خولانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا تذکرہ خیر وخوبی کے بغیر مت کرو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا اے اللہ! انھیں ہدایت عطا فرما۔"

یہ چند ایک روایات ہم نے پیش کی ہیں جو علماء کے نزدیک درجہ حسن سے کم نہیں اور علمائے کرام اس طرح بھی فرماتے ہیں کہ یہ روایات حسن لغیرہ کے درجے کی ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو حسن غریب سے تعبیر کیا ہے۔ یہ قاعدہ عندالعلماء تسلیم ہے کہ "درجہ حسن" کی روایات کو قبول کیا جاتا ہے اور اس سے احکام شرعی ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ فلہٰذا مذکورہ بالا روایات کی موجودگی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے متعلق صحت روایت کے فقدان کا قول کرنا درست نہیں۔

③ تائیدات

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے تاریخ بلدہ دمشق میں تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما روایت فضیلت کی عدم صحت کا جواب ذکر کرتے ہوئے درج ذیل قول کیا ہے:

((واصح ما روی فی فضل معاویۃ حدیث أبی حمزۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ کان کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقد اخرجہ مسلم فی صحیحہ وبعدہ حدیث العرباض "اللھم علمہ الکتاب والحساب" وبعدہ حدیث ابن ابی عمیرۃ "اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا")) [2]

اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی مندرجہ بالا قول نقل کیا ہے جو حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ کے قول کی من وعن

[1] التاریخ الکبیر (امام بخاری) ص ۳۲۸ ج ۴ قسم اول تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، طبع حیدر آباد دکن۔
جامع الترمذی ص ۵۴۷ ابواب المناقب تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ بلدہ دمشق ص ۶۸۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (عکسی قلمی)

[2] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوطہ عکس شدہ ص ۶۹۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تائید ہے۔

((وقال السيوطى الشافعى اصح ما ورد فى فضل معاوية حديث ابن عباس رضی اللہ عنہما انه كاتب النبى صلی اللہ علیہ وسلم فقد اخرجه مسلم فى صحيحه وبعده حديث العرباض رضی اللہ عنہ "اللهم علمه الكتابة" وبعده حديث ابن ابى عميرة رضی اللہ عنہ "اللهم اجعله هاديا مهديا")) [1]

مندرجہ بالا تائیدات کی روشنی میں یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتب نبوی ہونے کی فضیلت کو، جو امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے، علمائے کرام "اصح" چیز فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ علماء کے نزدیک فضیلت کتابت نبوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں صحیح تر فضیلت ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے فلہٰذا ان کی فضیلت کی عدم صحت کا قول کرنا اپنی جگہ پر درست نہیں۔

اور جو روایات اس سے کم درجے کی ہیں ان کے حق میں اکابر علماء "حسن" ہونے کا حکم درجہ بدرجہ لگا رہے ہیں فلہٰذا یہ بھی اپنے مقام پر مقبول اور لائق اعتماد ہیں اور قابل حجت ہیں اور مردود نہیں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ حسن روایات سے شرعی مسائل اور فقہی احکام ثابت ہوتے ہیں فلہٰذا ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اثبات بلاشبہ درست ہے۔

مزید تائید

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے متعلق جہاں دیگر چیزیں دستیاب ہیں وہاں ایک اور بہترین فضیلت صحیح روایات میں پائی جاتی ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر میں پہلے جہاد کرنے والے جیش (لشکر) کے متعلق جنت کی خوشخبری ذکر فرمائی اور اس لشکر کے امیر اور سپہ سالار خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ اس پیش گوئی کا مختصر واقعہ صحیح بخاری میں اس طرح ہے:

((ان عمير بن اسود العنسى حدثه انه اتى عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ وهو نازل فى ساحل حمص وهو فى بناء له ومعه ام حرام قال عمير فحدثتنا ام حرام رضی اللہ عنہا انها سمعت النبى صلی اللہ علیہ وسلم يقول: اول جيش من امتى يغزون البحر قد اوجبوا۔ قالت: ام حرام قلت يا رسول الله! انا فيهم؟ قال انت فيهم۔ قالت: ثم قال النبى صلی اللہ علیہ وسلم اول جيش من امتى يغزون مدينة القيصر مغفور لهم۔

[1] تنزیہ الشریعہ (ابن عراق کنانی) ص ۸ ج ۲ تحت باب فی طائفۃ من الصحابہ، الفصل الاول
ذیل اللآلی (سیوطی) ص ۵۷ کتاب المناقب مطبع علوی لکھنؤ طبع قدیم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقلت: انا فیهم یا رسول الله؟ قال: لا))[1]

''اس کا مطلب یہ ہے کہ عمیر بن اسود عنسی کہتے ہیں کہ حمص کے ساحل پر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر فروکش تھے اور آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا بھی رفیق سفر تھیں۔ اس موقع پر جناب ام حرام رضی اللہ عنہا نے واقعہ بیان کیا (کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں میرے مکان پر تشریف فرما تھے، خواب سے بیدار ہوئے) تو ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے پہلا لشکر جو بحر میں جہاد اور غزا کرے گا اس نے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے (یعنی انھوں نے ایسا عمل کیا ہے جس سے ان کو جنت ملے گی)۔ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ میں ان لوگوں میں شامل ہوں۔ جناب نے ارشاد فرمایا کہ تم ان میں داخل ہو۔ پھر دوسری بار جناب نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے اول جیش جو مدینہ قیصر پر غزا اور جہاد کرے گا ان کے لیے مغفرت ہے۔ پھر میں نے دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں ان میں داخل ہوں؟ فرمایا کہ نہیں (بلکہ تم پہلے جیش میں ہو)۔''

محدثین کے نزدیک یہ ایک مسلم امر ہے کہ پہلی بار بحری غزوہ جو ۲۷ھ میں پیش آیا تھا اور جس کو غزوہ قبرص کہتے ہیں اس میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ ام حرام رضی اللہ عنہا شامل تھیں۔ اس بحری غزوہ کے امیر جیش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی زوجہ محترمہ فاختہ بنت قرظہ نامی ان کے ہمراہ تھیں۔ اس جیش کے حق میں زبان نبوت سے مژدۂ جنت ثابت ہے۔ فلہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور اس عالم فانی میں جنت کی خوشخبری اور وہ بھی زبان نبوت سے، یہ ایک نہایت سعادت مندی ہے پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں عدم فضیلت کا قول کسی طرح درست نہیں۔

مذکورہ بالا فضیلت کی صحت میں کوئی اشتباہ نہیں محدثین کے نزدیک یہ بالکل صحیح ہے۔ اور کوئی شخص اگر تعصب کی بنا پر اس کی صحت کا انکار کر دے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تحاسد اور تعاند کرنا (یعنی حسد اور عناد رکھنا) آخرت میں نقصان دہ ثابت ہوگا۔ ارشاد نبوت ہے کہ

((لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخوانا))

''یعنی اے ایماندارو! آپس میں حسد مت رکھو! باہم بغض مت کرو! ایک دوسرے سے روگردانی مت کرو! اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو کر رہو۔''

④ بصورت دیگر

اکابر علمائے کرام نے محدثین کی ''مصطلحات'' کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کو محدثین کا

---

[1] بخاری شریف ج ۱ص ۴۰۹-۴۱۰ کتاب الجہاد تحت باب ما قیل فی قتال الروم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قول "لا یصح، ولا ثبت ھذا الحدیث" کے مفہوم کو سمجھنے میں غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس قول کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ روایت ''موضوع'' ہے یا ''ضعیف'' ہے ان لوگوں سے یہ قول محدثین کی مصطلحات سے ناواقفیت اور لاعلمی کی بنا پر صادر ہوا ہے۔ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی فرماتے ہیں کہ

((کثیرا ما یقولون ما لا یصح ولا یثبت ھذا الحدیث۔ ویظن منه من لا علم له انه موضوع أو ضعیف وھو مبنی علی جھله بمصطلحاتھم وعدم وقوفه علی مصرحاتھم))[1]

چنانچہ اس کی چند ایک تمثیلات اہل علم کے لیے یہاں ذکر کی جاتی ہیں تاکہ اس مسئلے میں اطمینان خاطر کا باعث ہو سکیں:

۱۔ ((قال الحافظ ابن حجر فی تخریج احادیث الاذکار المسمی "بنتائج الافکار" ثبت عن احمد بن حنبل انه قال لا اعلم فی التسمیة ای فی الوضوء حدیثا ثابتا۔ قلت: لا یلزم من نفی العلم ثبوت العدم، وعلی التنزل: لا یلزم من نفی الثبوت ثبوت الضعف، لاحتمال ان یراد بالثبوت الصحة فلا ینتفی الحسن)) [2]

اور ابن عراق رحمہ اللہ نے تنزیہ الشریعہ میں لکھا ہے کہ

۲۔ ((وقول الامام احمد "لا یصح" لا یلزم منه ان یکون باطلا کما فھمه ابن القیم فقد یکون الحدیث غیر صحیح وھو صالح للاحتجاج به بان یکون حسنا والله تعالیٰ أعلم)) [3]

۳۔ ((وقال نور الدین السمھودی فی "جواھر العقدین فی فضل الشرفین" قلت لا یلزم من قول احمد فی حدیث التوسعة علی العیال یوم عاشوراء لا یصح ان یکون باطلا فقد یکون غیر صحیح وھو صالح للاحتجاج به إذا الحسن رتبته بین الصحیح والضعیف انتھی)) [4]

۱۔ کتاب الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل (مولانا محمد عبدالحیٔ لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ) ص ۸۶ طبع حلب تحت ایقاظ نمبر ۶۔

۲۔ کتاب الرفع والتکمیل (مولانا محمد عبدالحیٔ لکھنوی) ص ۸۶ تحت ایقاظ نمبر ۶ طبع حلب

۳۔ تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ (ابوالحسن علی بن محمد بن عراق کنانی) ص ۱۵۸ ج ۲ فصل ثانی حدیث عاشورہ
موضوعات کبیر (ملا علی قاری ہروی حنفی) ص ۱۰۵ تحت فصل ومنھا الاکتحال یوم عاشورہ (طبع دہلی)

۴۔ کتاب الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل (مولانا محمد عبدالحیٔ لکھنوی) ص ۸۷ طبع حلب تحت ایقاظ نمبر ۶
الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ (مولانا محمد عبدالحیٔ لکھنوی) ص ۹۴، ۹۵ ج طبع لاہور تحت حدیث فضل یوم عاشورہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطلب یہ ہے کہ قولہ لا یصح کے مفہوم کو کبار علمائے حدیث حافظ ابن حجر، ابن عراق، مولانا نور الدین ہیثمی، مولانا عبدالحئی لکھنوی وغیرہم رحمہم اللہ نے واضح کر دیا ہے جس میں اشتباہ باقی نہیں رہا۔ یعنی اگر بعض لوگوں کی جانب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی روایت کے متعلق ''عدم صحت'' کا قول پایا گیا ہے تو وہ کوئی مضر نہیں، اس سے واقع میں مقبول روایت کی نفی نہیں ہوسکتی۔ یعنی عدم صحت کا قول صحت عدم کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اثبات فضیلت ہذا میں درجہ حسن کی روایات موجود ہیں اور قابل احتجاج ہیں۔ ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شرف اور فضیلت بہتر طریق سے ثابت ہے اور جمہور علمائے امت اس کو صحیح قرار دیتے ہیں اور درست تسلیم کرتے ہیں۔

بالفرض اگر ہم تسلیم کر لیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں تو بھی یہ چیز پیش کی جاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں مرویات بقول معترض ضعیف ہیں تو عند المحدثین ایک قاعدہ جاری ہے اس کے پیش نظر ضعیف چیز اگر متعدد طریقوں سے مروی ہو تو وہ بھی ایک دوسرے کی موید ہو کر تقویت کا فائدہ بخشتی ہے۔

چنانچہ علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے جس کو بعد والے علماء اپنی اپنی عبارت میں ذکر کیا کرتے ہیں۔ فی الحال یہاں اس کے لیے دو حوالہ جات علامہ سخاوی وکنانی رحمہما اللہ کی عبارات میں پیش کیے جاتے ہیں:

① ((قال (البیهقی) ان اسانیده کلها ضعیفة ولکن اذا ضم بعضها الی بعض افاد قوة))[1]

② ((وقال (البیهقی) فیهما وفی حدیث أبی هریرة وابن مسعود (رضی اللہ عنہما) اسانیدها ضعیفة ولکنها اذا ضم بعضها الی بعض اخذت قوة انتهی)) [2]

قاعدہ ہذا کی رو سے یہ چیز واضح ہوگئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فضائل کی مرویات میں اگر ضعف بھی پایا جائے تو بھی تعدد مرویات کی وجہ سے قابل قبول ہیں اور ان کے اثبات شرف میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں صحت مرویات کی نفی کرنے پر زور دیا ہے ان کی وہ چیز تحقیق کے برخلاف ہے اور مرجوح ہے۔ غایت سے غایت اگر نفی فضیلت کے قول کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر اس سے حقیقی طور پر نفی مراد نہیں بلکہ اضافی طور پر یہ نفی مراد ہے۔ یعنی بہ نسبت اکابر صحابہ کرام خلفائے راشدین وغیرہم کے فضائل کثیرہ کے ان کے فضائل کم پائے جاتے ہیں۔

---

[1] المقاصد الحسنہ (شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ) ص ۴۳۱ تحت حدیث من وسع علیٰ عیالہ فی یوم عاشورہ۔

[2] تنزیہ الشریعہ (محمد بن عراق کنانی ۹۶۳ھ) ص ۱۵۷ ج ۲ تحت حدیث من وسع علیٰ عیالہ...... الخ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک تنبیہ

بعض لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تنقیص و عیب کے طور پر یہ چیز ذکر کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف کے کتاب المناقب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مرویات کو ''باب ذکر معاویہ'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے، ''باب مناقب معاویہ'' کا عنوان تجویز نہیں کیا۔ فلہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت اور فضیلت کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس شبہ کا جواب عند العلماء وہ چیز ہے جو مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ نے اپنے مختصر سے رسالے ''الناہیہ عن طعن معاویہ'' میں ذکر کی ہے:

((واما الجواب عما فعله البخاری فانه تفنن فی الکلام فانه فعل کذا فی اسامة بن زید و عبدالله بن سلام و جبیر بن مطعم فذکر لهم فضائل جلیلة معنونة بالذکر))[1]

''یعنی جو طریقہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے وہ تفنن فی الکلام کے درجے میں ہے۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اسامہ بن زید، عبداللہ بن سلام اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم کے ابواب میں یہی طریقہ اختیار کرتے ہوئے ان کے فضائل جلیلہ ذکر کیے ہیں اور عنوان باب ذکر فلاں (اسامہ بن زید وغیرہ) قائم کیا ہے۔''

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب بخاری شریف کے کتاب المناقب میں باب ذکر عباس بن عبدالمطلب اور باب ذکر عبداللہ بن عباس اور باب ذکر حذیفہ بن یمان کے عنوان سے تحریر کیے ہیں۔ حالانکہ ان حضرات کے عمدہ فضائل موجود ہیں۔ ان تمام حضرات کے حق میں امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ طریق تحریر تفنن فی الکلام کے طور پر ہی ہے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل کی کمی کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ''باب ذکر معاویہ'' کے عنوان سے جو ذکر کیا ہے وہ عدم فضیلت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ محض تفنن عبارت کے طور پر ہے جو بلغاء کے کلام میں پایا جاتا ہے۔

---

[1] الناہیہ عن طعن معاویہ ص ۳۴ تحت فصل فی الا جوبۃ عن مطاعنہ، طبع ملتان از مولانا عبدالعزیز پرہاروی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ازالہ شبہات

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی بعض عبارات کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کو جمہور علمائے اہل سنت متقدمین اور متاخرین مثلاً حضرت شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی، ابن العربی، امام ربانی، ملا علی قاری اور ابن حجر مکی وغیرہ حضرات رحمہم اللہ نے اپنے اپنے دور میں جس طرح بیان کیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے منصب کو پیش کیا ہے وہ طریق صحیح اور درست ہے اور ان کے مقابلے میں اگر کسی بزرگ کی بعض مشتبہ اور موہم عبارات پائی جائیں جن سے تنقیص شان کا پہلو نکلتا ہو تو وہ متروک اور مرجوح قرار دی جائیں گی۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و منصب بعد والے حضرات کے مرتبہ سے بدرجہا اعلیٰ و ارفع ہے اور کم درجے والے شخص کو اپنے سے فائق شخصیت پر کلام کرنا مناسب نہیں۔

اس سلسلے میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کی بعض عبارات ایسی پائی جاتی ہیں جن سے معترض لوگ کئی قسم کے اعتراضات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص شان کرنے اور ان کی خلافت و امارت کو ناحق قرار دینے کے لیے پیش کرتے ہیں مثلاً:

① ایک مقام پر لکھا ہے کہ ولیس هذا باول قارورة کسرت فی الاسلام۔

② ایک دیگر مقام پر مذکور ہے کہ

''بعضے جانب داران معاویہ بن ابی سفیان ایں لفظ را تاویل میکند و گویند مرادش ایں بود کہ چرا با حضرت علی مرتضیٰ درشتی در کلام نمے کنی و نمے فہمانی کہ دست از حمایت قاتلان عثمان بردارد''

③ ایک اور مقام پر درج ہے کہ

''ایں حرکات او خالی از شائبہ نفسانی نبود و خالی از تہمت تعصب امویہ و قرشیہ کہ بجناب ذی النورین رضی اللہ عنہ داشت نبودہ است۔''

④ نیز ایک اور مقام پر مذکور ہے کہ

''محققین اہل سنت از اطلاق لفظ ''خلیفہ'' ہم تحاشی میکردند چنانکہ در حدیث صحیح (الخلافة بعدی ثلاثون سنة) و بالجملہ نزد اہل سنت از مقررات است کہ امامت حقہ بلاشبہ تا سی سال امتداد یافت و بنص

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کہ پانز دہم ماہ جمادی الاولیٰ در سنہ چہل و یک بوقوع آمد انقطاع پذیر رفت۔''

⑤ ایک دوسرے مقام پر محاربین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض کلمات یوں ذکر کیے ہیں کہ

''ومحاربت با ایشان از راہ شامت نفس وحب جاہ از راہ تاویل باطل وشبہ فاسد فسق عملی یا فسق اعتقادی است نہ کفر......الخ''

مذکورہ بالا قابل اعتراض اور موہم عبارات کے جواب کے سلسلے میں ذیل میں بعض امور ذکر کیے جاتے ہیں ان پر نظر غائر کر لینے سے اس چیز سے متعلقہ شبہات رفع ہو جائیں گے:

① شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کے والد گرامی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے منصب اور مقام کے متعلق اپنی مشہور تصنیف ''ازالۃ الخفا'' (مقصد اول کی تمہید تنبیہ سوم) میں تحریر کیا ہے کہ

''باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ یکے از اصحاب آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم وصاحب فضیلت جلیلہ در زمرہ صحابہ رضی اللہ عنہم زنہار در حق او سوء ظن نکنی و در ورطہ سب او نہ افتی تا مرتکب حرام نشوی۔

اخرج ابوداود وعن أبی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فو الذی نفسی بیده لو انفق احدکم مثل احد ذهبا ما یبلغ مد احدهم ولا نصیفه

واخرج ابوداود عن ابی بکرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی رضی اللہ عنہما ان ابنی هذا سید وانی ارجو ان یصلح الله به بین فئتین من امتی۔

وفی روایة لعل الله ان یصلح به بین فئتین من المسلمین عظیمتین

وأخرج الترمذی من حدیث عبدالرحمن بن عمیرة رضی اللہ عنہ وکان من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال لمعاویة اللهم اجعله هادیا مهدیا واهد به۔

وأخرج ابن سعد وابن عساکر عن مسلمة بن مخلد رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لمعاویة اللهم علمه الکتاب ومکن له فی البلاد وقه العذاب

وأخرج الترمذی من حدیث عمیر بن سعید رضی اللہ عنہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللهم اهدبه۔

وعقل نیز برآں دلالت میکند زیرا کہ از طرق کثیرہ معلوم شد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودند کہ وی فی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت من الاوقات خلیفہ خواہد شد۔''[1]

یہ تمام تنبیہ بڑی عمدہ ہے اور جمہور اہل سنت کے نظریات کے عین مطابق ہے۔ اس مقام پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ اور فضیلت کو خوب بیان کیا ہے۔ ان چیزوں کے پیش نظر مذکورہ تعبیرات متروک ہوں گی اور نا قابل التفات قرار پائیں گی۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی یہ تحقیق کوئی منفردانہ چیز نہیں ہے بلکہ ہر دور میں اہل سنت والجماعت کے اکابر علماء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ اور مقام کو اسی طرح بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مطاعن سے براءت اور ان کی صفائی ان حضرات نے اپنی اپنی تصنیفات میں پیش کی ہے۔ پس یہی مسلک اور طریق صحیح اور درست ہے اور اس کے مقابلے میں اگر کوئی مشتبہ اور موہم عبارات پائی جائیں تو وہ متروک اور نا قابل التفات ہوں گی۔

(۲) نیز حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تالیفات و تصنیفات کی بعض عبارات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تعریضات پائے جانے کی شکایت بعض لوگوں نے خود آنجناب کو تحریر کی تھی اور بطور اعتراض اس چیز کو پیش کیا تھا تو اس شکایت نامہ کے جواب میں خود شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے بذریعہ خط جواب ارسال کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ وہ جواب آنجناب کے مطبوعہ خطوط میں مذکور ہے۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

''و تعریضات در باب معاویہ رضی اللہ عنہ ازیں فقیر واقع نہ شدہ اگر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بنائے مذہب ایشاں یعنی گروہ رافضہ از قدیم بر ہمیں امور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند۔ اللہ خیر حافظا۔ وایں تعریضات در نسخ معتبرہ البتہ یافتہ نخواہد شد۔''[2]

حضرت شاہ صاحب موصوف کی اس تحریر کے ذریعے سے مندرجہ بالا قابل اعتراض اور تمام موہم عبارات کا مسئلہ حل ہو گیا کہ آنجناب نے اپنی تصنیفات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تنقیص شان کی کوئی چیز تحریر نہیں فرمائی اور نہ وہ اس چیز کو صحیح اور جائز قرار دیتے تھے۔ یہ بعض نا عاقبت اندیش لوگوں کی طرف سے تصرفات ہیں جن کو شاہ صاحب کی جانب منسوب کر دیا گیا۔

(۳) حقیقت یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے دور کے ایک وسیع النظر بزرگ اور متبحر عالم دین تھے ان کی دیانت اور وفور علم سے یہ چیز بعید ہے کہ وہ کسی ذی قدر اور مشہور صحابی کی تنقیص کریں اور اس کو اپنے

---

[1] ازالۃ الخفا کامل فارسی ص ۱۴۶-۱۴۷ تحت تنبیہ سوم (طبع قدیم بریلی)

[2] مکتوبات شاہ عبدالعزیز نمبر سوم ص ۲۶۵-۲۶۶ مع مقدمہ محمد ایوب قادری مطبوعہ پاک اکیڈمی ص ۱۴۱ اج ا وحید آباد کراچی نمبر ۱۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقام سے گرا کر بیان کریں۔

اس بنا پر ان کے بعد میں آنے والے متعدد علماء نے ان کی قابل اعتراض اور موہم عبارات کو الحاقی قرار دیا ہے اور ان میں لوگوں کے عبارتی تصرفات کو واضح کر دیا ہے جیسا کہ خود شاہ صاحب موصوف نے اس چیز کو تسلیم کر کے اس کا رد کیا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل اکابر اہل علم کی اس نشاندہی کو ہم ایک ترتیب سے ذکر کرتے ہیں:

۱۔ امداد الفتاویٰ میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کی ایک عبارت کا جواب دیتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ

''اول تو اس میں کلام ہے کہ وہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کا ہے بھی؟ مجھ کو تو قوی شک ہے۔''[۱]

۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (کراچی والے) اپنی کتاب ''مقام صحابہ رضی اللہ عنہم'' میں لکھتے ہیں کہ

''اسی طرح کا ایک مضمون شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کی طرف ان کے فتاویٰ کے حوالے سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ مضمون کسی وجہ سے ایسا ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ جیسے جامع العلوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے نہ خود اس کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ معلوم نہیں وفات کے کتنا عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی تدسیس اس میں کی ہو اور کوئی غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لیے فتاویٰ کے مجموعے میں شامل کر دی ہو۔ اور اگر بالفرض یہ واقعی شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول ہے تو بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔''[۲]

(۴) اس کے بعد ان بعض عبارات کے متعلق اشتباہ کا ازالہ کیا جاتا ہے جو ابتداءً ذکر کی گئی ہیں۔

خلافت اور امامت کے متعلقہ بحث تحت عنوان ''ملوکیت کا شبہ اور اس کا ازالہ'' مفصل ذکر کر دی گئی ہے اس کے تحت ان عبارات کا جواب آ چکا ہے۔ تاہم اختصاراً مندرجہ ذیل کلام ذکر کیا جاتا ہے کہ حدیث سفینہ جس میں ثلاثون سنہ کی میعاد منقول ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے اور اس میں خلافت کاملہ راشدہ کی میعاد ذکر کی گئی ہے لیکن اس کے مقابلے میں دیگر متعدد صحیح روایات مروی ہیں جن میں اثنا عشر خلیفہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اور

۱۔ امداد الفتاویٰ ص ۳۰۷ ج ۵ کتاب البدعات طبع مجتبائی دہلی۔

۲۔ مقام صحابہ ص ۷۴-۷۵ از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (کراچی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے زائد بھی خلفاء اور خلافت کا مذکور ہونا روایات میں موجود ہے۔

ان روایات میں مطلق خلافت کا ذکر کیا گیا ہے جس کو امارت اور ملوکیت بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر امارت و ملوکیت اور خلافت میں باہم تضاد نہیں۔ آیات اور روایات میں امیر اور ملک (یعنی بادشاہ) ہونا مومنین اور صالحین کے حق میں بطور نعمت ذکر کیا گیا ہے۔

ان معروضات کی روشنی میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ماسوا لوگوں پر خلیفہ کے اطلاق کرنے سے تحاشی (گریز) اور اجتناب کرنے کا کچھ مطلب نہیں نیز ان لوگوں کو بدترین ملوک کہنا بھی درست نہیں اور ''خلافت راشدہ'' کے بعد ''امامت حقہ'' جاری ہے اگرچہ خلافت راشدہ سے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے کم ہے فلہٰذا تیس سال کے بعد امامت اور خلافت حقہ کے انقطاع کا قول کرنا درست نہیں۔

نمبر ۶ والی عبارت (ومحاربت با ایشان از راہ شامت نفس) میں جو فسق اعتقادی کا مسئلہ ذکر کیا ہے اس کی وضاحت اور تشریح کے لیے اسی مقدمہ کے اوائل میں مصنف نے خود مندرجہ ذیل عبارت ذکر کی ہے وہ جواب کے لیے کافی ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''اول آنکہ انکار معنی نص و مدلول آں بنا بر تاویل فاسد کفر نیست بلکہ نوعی است از فسق اعتقادی کہ آنرا در عرف اہل سنت ''خطائے اجتہادی'' نامند۔''[1]

''مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر جو فسق اعتقادی کا ذکر ہے اسی کو عرف اہل سنت میں ''خطائے اجتہادی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ فلہٰذا محاربین علوی کے حق میں جہاں فسق عملی یا فسق اعتقادی کا ذکر پایا جاتا ہے وہ خطائے اجتہادی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

تاہم اس عبارت میں معبر کی طرف سے ''تعبیری تصرف'' کا احتمال مزید برآں ہے اور اہل علم کو معلوم ہے کہ راوی و ناقل کی تعبیر بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے اور اصل مفہوم کا رنگ ہی بدل دیتی ہے۔

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۸۹ فارسی ابتدا مقدمہ ششم باب نمبر ۱۲ تولا و تبرا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حق گوئی کا مسلوب ہونا یعنی آزادی رائے کا خاتمہ پھر اس کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے احباب نے اس چیز کو بڑے عجیب انداز سے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی گئی تھی اور حق بات کہنا جرم تھا اور زبانیں حق کہنے سے بند کر دی گئی تھیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لیے ورنہ چپ رہو۔ حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے ہو تو قتل، قید و بند اور کوڑے کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ زبانوں پر قفل چڑھا دیے گئے تھے اور آزادی رائے کا خاتمہ کر دیا گیا تھا اور حق گوئی سلب کر لی گئی تھی۔

معترضین دوستوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے حق میں نقشہ بالا مرتب کیا ہے۔ لیکن اب ہم اس کے متعلق چند ایک واقعات کتب حدیث اور اسلامی تاریخ و تراجم سے پیش کرتے ہیں جن کے ملاحظہ کر لینے سے مذکورہ امور کا جواب ہو جائے گا اور ایک منصف مزاج پر اس کی حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مذکورہ بالا نقشہ جو طاعنین نے پیش کیا ہے وہ کہاں تک درست ہے اور اس میں کس قدر صداقت پائی جاتی ہے؟ کیا اس دور کے واقعات اس کی تائید کرتے ہیں یا اس کے برعکس پائے جاتے ہیں؟

اس مسئلے پر واقعات پیش کرنے سے قبل بعض تمہیدی امور ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بعض دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناصحانہ کلام تحریر کیا اور اس میں ایک نصیحت کی جس کو مورخین نے ایک پختہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

((عن عبدالله بن مبارك عن هشام بن عروة قال كتبت عائشة رضي الله عنها الى معاوية رضي الله عنه اتق الله فانك اذا اتقيته كفاك الناس اذا اتقيت الناس لم يغنوا عنك من الله شيئا))[1]

"یعنی عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا اس میں نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے معاویہ اللہ سے ڈرتے رہنا جب تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمھیں لوگوں کی طرف

[1] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کافی ہوگا اور جب تم لوگوں سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے لوگ تم کو نفع نہ دے سکیں گے۔"

اس مکتوب میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حق گوئی فرماتے ہوئے خدا خوفی کی ترغیب دی ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور یقین رکھنے کی نصیحت کی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان نصائح کو دل و جان سے قبول کیا اور اس سے نفع اٹھایا۔

اسی طرح ایک مشہور صحابی ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ان سے ایک خیر خواہانہ کلام فرمایا جو بہت مفید تھا۔

((اخبرنی العتبی قال دخل ابوامامة الباهلی رضی اللہ عنہ علی معاویة رضی اللہ عنہ فقال یا امیرالمؤمنین! انت رأس عیوننا فان صفوت لم یضرنا کدر العیون وان کدرت لم ینفعنا صفونا واعلم انه لا یقوم فسطاط الا بعمد))[1]

"یعنی ایک دفعہ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ (صحابی) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور آ کر فرمایا کہ اے امیر المومنین آپ ہمارے چشموں کے لیے اصل ہیں۔ آپ صاف رہیں گے تو چشموں کا میلا ہونا ہمیں ضرر نہ دے گا اور اگر آپ میں تکدر اور میلا پن ہوگا تو ہمارا صاف رہنا ہمیں نفع نہ دے گا، اور یقین جانیے کہ ستونوں کے بغیر خیمہ کھڑا نہیں رہ سکتا۔"

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کلام کے بعد یہ دوسرے صحابی کا ناصحانہ کلام ہے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صاف گوئی کے ساتھ نصیحت کی گئی ہے اور انھوں نے اس کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا ہے۔

یہ دو حوالہ جات آنے والے واقعات کے لیے بطور تمہید کے پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد حق گوئی کے دیگر واقعات ایک ترتیب کے ساتھ ناظرین کرام کی خدمت میں ہم پیش کرتے ہیں ان پر نظر انصاف فرمائیں:

① ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے آ کر کہا کہ اے معاویہ! اللہ کی قسم آپ خود ٹھیک رہیے ورنہ ہم آپ کو درست کر دیں گے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ ٹھیک کرو گے؟ اس شخص نے کہا کہ لاٹھی کے ساتھ ہم ٹھیک کریں گے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ پھر ہم درست ہو جائیں گے۔

۱۔ ((اخبرنا محمد قال اخبرنا معاذ بن معاذ قال اخبرنی ابوعبیدة قال ان کان

---

[1] کتاب المجتنیٰ ص ۳۹ تحت کلام معاویہ مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن (امام لغت وادب ابوبکر محمد بن حسن بن درید الازدی البصری المتوفی بغداد سنہ ۳۲۱ھ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الرجل ليقول لمعاوية والله لتستقيمن يا معاوية! او لنقومنك۔ فيقول بما ذا؟ فيقول بالخشب فيقول اذا نستقيم))[1]

مطلب یہ ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگ حق بات کہتے اور راست گوئی کا حق ادا کرتے تھے ان پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی رکاوٹ اور زبان بندی نہیں تھی۔

اسی نوع کی ایک دیگر روایت بلاذری رحمہ اللہ نے انساب الاشراف میں ذکر کی ہے اس میں سعید بن عاص اپنے والد سے ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی اور اسی اثنا میں وہ کہنے لگا اللہ کی قسم اے معاویہ! آپ درست اور ٹھیک رہیں یا ہم آپ کی کجی کو درست کر دیں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ اللہ تم پر رحمت فرمائے۔ اس نے کہا کہ میں فلاں ابن فلاں حمیری ہوں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو اس سے نرم کلام کر دیتا تو تجھ پر کوئی حرج نہیں تھا۔ اس کے بعد جب وہ چلا گیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لڑکے یزید نے کہا کہ اے امیر المومنین! اگر آپ اس کو ایسی سخت گفتگو پر سزا دیتے تو اس کے ذریعے سے دوسروں کی تادیب ہوتی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اے بیٹے! بعض دفعہ ایسے سخت کلام کی وجہ سے تیرے باپ کو سخت تکلیف پہنچتی ہے تاہم اس کا وبال اس پر ہوتا ہے جس نے قصور کیا۔

((عن سعيد بن العاص عن أبيه قال بينما رجل يخاطب معاوية! اذ قال والله يا معاوية لتستقيمن او لنقومن صعرك قال ومن انت رحمك الله؟ قال انا فلان بن فلان الحميرى قال وما كان عليك لو كان كلامك اللين من هذا فلما ولى قال يزيد بن معاوية يا امير المومنين لو نكلت بهذا تادب به غيره فقال يا بنى لرب غيظ قد تحطم بين جوانح ابيك لم يكن وباله الا على من جناه))[2]

(۲) محدثین نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو احقاق حق کے طور پر کلام کرنے کا

[1] کتاب المجتبیٰ (ابن درید) ص ۱۴۱ طبع حیدر آباد دکن تحت کلام معاویہ رضی اللہ عنہ
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۰۲ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۳ تحت معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ الخلفاء (سیوطی) طبع دہلی ص ۱۳۶ تحت سنہ ۴۱ھ حالات معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
مخطوطہ ابن عساکر ص ۶۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ (بروایت ابن عون)
مخطوطہ ابن عساکر ص ۷۳۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ (بروایت ابی عبیدہ)
مختصر تاریخ ابن عساکر ص ۶۰ ج ۲۵ طبع دمشق تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

[2] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۴۰ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک واقعہ اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔

ہشام بن سعید بن عقبہ کہتے ہیں کہ ایک روز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور خطبہ میں ایسی بات ذکر کی جس کو حاضرین نے ناپسند کیا اور منکر جانا۔ پس ایک شخص نے بروقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کلام کو رد کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس چیز پر مسرور ہوئے (یا اس کو عجیب معلوم کیا) پھر فرمایا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آیندہ دور میں) امراء ہوں گے وہ گفتگو کریں گے لیکن لوگ ان کی بات کا رد نہ کرسکیں گے (حالانکہ ان کا کلام قابل تردید ہوگا) ایسے امراء لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے دوزخ میں گریں گے۔

((حدثنا محمد بن السكن بن ابراهيم الايلى قال ثنا ابو عامر قال ثنا هشام بن سعيد بن عقبة قال خطب معاوية فتكلم بشيء مما ينكر الناس فرد عليه وقتا واحد قسرا واعجبه ثم قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: يكون امراء فيقولون فلا يرد عليهم يتهافتون فى النار يتبع بعضهم بعضا))[1]

③ نیز اس مقام پر محدثین اور مورخین دونوں حضرات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو حق بات کہنے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے (جس کو ہم قبل ازیں مسئلہ اقربا نوازی کے ص ۱۵۹-۱۶۰ پر صرف مورخین کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں) تاہم اس واقعہ کو متعدد محدثین کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں اور مورخین کی طرف سے اس واقعہ کی جو تائید پائی جاتی ہے اس کے حوالہ جات ساتھ ذکر کر رہے ہیں۔

علامہ نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد میں مندرجہ ذیل واقعہ نقل کیا ہے:

((عن ابى نفيل عن معاوية بن ابى سفيان رضي الله عنه انه صعد المنبر يوم القمامة فقال عند خطبة انما المال مالنا والفئ فيئنا فمن شئنا اعطيناه ومن شئنا منعناه فلم يجبه احد فلما كان الجمعة الثانية قال مثل ذالك فلم يجبه احد فلما كان فى الجمعة الثالثة قال مثل مقالة فقام اليه رجل من حضرا المسجد فقال كلا انما المال مالنا والفئ فيئنا فمن حال بيننا وبينة حاكمناه الى الله باسيافنا فنزل معاوية فارسل الى الرجل فادخله فقال القوم هلك الرجل ثم دخل الناس فوجدوا الرجل معه على السرير فقال معاوية للناس ان هذا احيانى احياه الله سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول سيكون بعدى امراء

[1] كتاب التوحيد واثبات صفات الرب ص ۲۲۸ طبع مصر تحت بحث كل من يشهد الله بالوحدانيه يخرج من النار (شيخ ابو بكر محمد بن اسحاق بن خزيمه متوفى سنه ۳۱۱ھ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يقولون ولا يرد عليهم يتقاحمون في النار كما تقاحم القردة واذا تكلمت اول جمعة فلم يرد على احد فخشيت ان اكون منهم ثم تكلمت في الجمعة الثانية فلم يرد على احد فقلت في نفسي اني من القوم ثم تكلمت في الجمعة الثالثة فقال هذا الرجل فرد على فاحياني احياه الله))[1] (طبرانی فی الکبیر والاوسط وابویعلی ورجالہ ثقات)

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قمامہ کے روز منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دیا۔ فرمانے لگے بیت المال کا مال ہمارا مال ہے اور فے کا مال بھی ہمارا مال ہے۔ جس کو ہم چاہیں گے دیں گے اور جس سے ہم چاہیں گے روک لیں گے۔ حاضرین میں سے کسی نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ جب دوسرے جمعہ کا دن آیا تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا کلام فرمایا لیکن پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ جب تیسرا جمعہ آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا پھر کلام کیا جس طرح کا پہلے جمعہ میں کلام کیا تھا۔ تو اس دفعہ حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ بات ہرگز اس طرح نہیں ہے بلکہ بیت المال کا مال ہمارا ہے اور فے کا مال بھی ہمارا ہے۔ جو شخص اس بات کے متعلق ہمارے درمیان حائل ہوگا اس کا فیصلہ ہم تلواروں کے ساتھ خدا تعالیٰ کے ہاں پہنچائیں گے۔

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر سے نیچے تشریف لائے اور اپنے مقام پر تشریف لے گئے اور اس شخص کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ لوگ کہنے لگے کہ اب یہ سزا پا کر ہلاک ہوگا۔ لیکن جب لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چارپائی پر بیٹھا ہے۔

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کو زندہ رکھے اس نے مجھے گویا زندہ کر دیا ہے اور فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد عنقریب امراء و حکام ہوں گے۔ وہ جو بات کہیں گے ان کے جواب میں کوئی کلام نہیں کر سکے گا اور وہ امراء دوزخ میں اس طرح ڈالے جائیں گے جس طرح

---

1. مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۳۶ ج ۵ تحت باب فی ائمة الظلم والجور وائمة الضلالة
مخطوطہ ابن عساکر (قلمی) عکس شدہ ص ۲۸۷ جلد ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۶۷ طبع دوم مصری مع الصواعق المحرقہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بندر ایک دوسرے کے پیچھے گرتے ہیں۔

تحقیق میں نے پہلے جمعہ میں کلام کیا لیکن کسی نے بھی میرے کلام کا جواب نہیں دیا تو میں نے خوف کھایا کہ کہیں میرا شمار بھی ان امراء میں نہ ہو۔ پھر میں نے دوسرے جمعہ کے روز اسی طرح کا کلام کیا تو پھر بھی میری بات کی کسی نے تردید نہیں کی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ کہیں میں ان احکام وامراء میں سے تو نہیں؟ پھر میں نے تیسرے جمعہ میں اسی طرح کا کلام کیا تو یہ شخص کھڑا ہوا اور اس نے میری بات کو رد کر دیا (اور صحیح مسئلہ بیان کیا) اللہ تعالیٰ اس کو زندہ رکھے اس نے مجھے (دین کے معاملے میں) زندہ کر دیا ہے (اور میں اس وعید سے بچ گیا ہوں)۔''

حق گوئی کا یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو پیش آیا۔ اس واقعہ کو محدثین مثلاً طبرانی اور ابویعلی موصلی وغیرہم رحمہ اللہ نے ثقہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور حافظ نورالدین ہیثمی رحمہ اللہ نے اسے مجمع الزوائد میں نقل کیا ہے اور ساتھ اس کی توثیق بھی درج کر دی ہے۔ نیز مشہور مورخین مثلاً ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ بلدہ دمشق میں اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ اسلام میں اور ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے تطہیر الجنان میں اپنی اپنی عبارات میں مفصل درج کیا ہے جس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو حق بات کہنے کا مسئلہ واضح ہو گیا اور آزادی رائے کا پایا جانا بھی ثابت ہو گیا۔

حافظ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت عظیم پائی گئی ہے کیونکہ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منفرد نظر آتے ہیں۔

④ اس کے بعد ہم ایک اور واقعہ ذکر کرتے ہیں جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انصاف پسندی اور حق بات کو تسلیم کرنا واضح طور پر پایا جاتا ہے:

ایک دفعہ طاعون سے فرار کے متعلق حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا مکالمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ طاعون سے فرار کر کے کہیں جانا شرعاً ناجائز ہے پھر اس پر فرمان نبوی بیان کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس معاملے میں دوسری رائے تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جس مقام پر طاعون کی وبا پھیل جائے وہاں سے گریز کرنا اور چلا جانا جائز ہے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سخت مخالفت کی اور ان کو برملا ٹوک دیا۔

اس صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نماز عصر کے بعد منبر پر تشریف لائے اور بیان فرمایا کہ عبادہ بن صامت نے جو اس مسئلے میں مجھے حدیث بیان کی ہے وہ درست ہے۔ پس عبادہ سے دین کے مسائل میں اقتباس کیا کرو، وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

((عن یعلیٰ بن شداد قال ذکر معاویۃ الفرار من الطاعون فذکر قصۃ له مع

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبادة فقام معاوية عند المنبر بعد صلاة العصر فقال الحديث كما حدثني عبادة فاقتبسوا منه فهو افقه منى))[1]

اس واقعہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حق پرستی اور انصاف پسندی واضح ہے۔

⑤ اب اس مسئلے پر ایک دیگر واقعہ اکابر علماء نے ذکر کیا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ نے حق و صداقت کا برملا اظہار کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے قلبی مسرت کے ساتھ قبول کیا۔

((عن ابى مسلم الخولانى انه نادى معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما وهو جالس على منبر دمشق فقال يا معاوية انما انت قبر من القبور ان جئت بشيء كان لك شيء وان لم تجئ بشيء فلا شيء لك۔ يا معاوية رضی اللہ عنہ لا تحسبن الخلافة جمع المال وتفرقة ولكن الخلافة العمل بالحق والقول بالمعدلة واخذ الناس فى ذات الله عزوجل۔ يا معاوية انا لا نبالى بكدر الانهار ما صفت لنا رأس عيننا وانك رأس عيننا يا معاوية اياك ان تحيف على قبيلة من قبائل العرب فيذهب حيفك بعدلك فلما قضى ابومسلم مقالة اقبل عليه معاوية فقال يرحمك الله))[2]

"مطلب یہ ہے کہ ایک مشہور تابعی راست گو بزرگ ابومسلم خولانی[3] رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ

1۔ الاصابہ مع الاستیعاب (ابن حجر عسقلانی) ص ۲۶۰ ج ۲ تحت عبادہ بن صامت بن قیس رضی اللہ عنہ۔

2۔ حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۲۶ ج ۲ تحت (۱۶۸) ابی مسلم الخولانی رحمہ اللہ۔

حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۲۵ ج ۲ تحت ابی مسلم الخولانی۔

3۔ ابومسلم خولانی کا اسم گرامی عبداللہ بن ثوب اور بقول بعض عبد بن ثوب ہے اور کنیت ابومسلم ہے۔ بلاد یمن کے علاقے خولان سے ہیں۔ بڑے بزرگ اور پایہ کے تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ راست گو طبیعت تھی۔ ان کی حق گوئی اور صداقت پسندی کے متعدد واقعات دستیاب ہوتے ہیں۔ ہم اس مقام پر ان کی کرامت اور عظمت کے بعض واقعات ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے ان کی رفعت مقام واضح ہوتی ہے:

نبی اقدس ﷺ کے آخری ایام میں یمن میں ایک شخص "اسود عنسی" نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا۔ ابومسلم رحمہ اللہ ان ایام میں مشرف باسلام ہو چکے تھے لیکن جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری اور شرف زیارت کا موقع نصیب نہیں ہوا تھا اپنے علاقے میں ہی مقیم تھے۔ اسود عنسی نے اپنی نبوت کی تصدیق کی خاطر آپ کو بلوایا۔ اسود کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے آپ سے کہا کہ کیا تم محمد (ﷺ) کی رسالت و نبوت کی شہادت دیتے ہو؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد اسود نے کہا کیا تم میری نبوت کی شہادت دیتے ہو اور مجھے نبی تسلیم کرتے ہو؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں یہ بات سننا گوارہ نہیں کرتا (اور اس چیز کو تسلیم نہیں کرتا)۔ ←

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے ایک بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت جامع دمشق کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ کہنے لگے اے معاویہ! آپ قبروں میں سے ایک قبر ہیں (یعنی آپ قبر میں پہنچنے والے ہیں) اگر آپ کوئی بہتر چیز لائیں گے تو آپ کو فائدہ ہوگا اور اگر کوئی بہتر چیز نہیں لائیں گے تو آپ کو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ اے معاویہ! یہ گمان نہ کریں کہ مال جمع کرنا اور پھر اسے تقسیم کرنے کا نام ''خلافت'' ہے بلکہ خلافت تو حق بات پر عمل کرنے، انصاف کی بات کہنے اور لوگوں کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے معاملہ کرنے کا نام ہے۔

اے معاویہ! جب تک کہ سر چشمہ صاف رہے ہمیں نہروں کے میلا اور گدلے ہونے کی پروا نہیں اور آپ ہمارے اصل چشمہ ہیں۔ اے معاویہ! آپ کو قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ پر ظلم کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ آپ کا ظلم آپ کے عدل کو ضائع کر دے گا۔

← اس کے بعد اسود عنسی نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ ایک آتش عظیم تیار کی جائے اور اس میں ابو مسلم کو پھینک دیا جائے چنانچہ ابو مسلم رحمہ اللہ کو ایک بڑے آتش کدہ میں ڈالا گیا۔ مگر آگ نے آپ پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں کیا اور آپ صحیح اور سلامت زندہ رہے۔

پھر اسود کو اس کے حاشیہ نشینوں نے مشورہ دیا کہ اگر خولانی کو اس شہر میں رہنے دیں گے تو آپ کے خلاف یہ فضا خراب کرے گا تو اسود عنسی نے آپ کو شہر بدر کر دیا۔ اس کے بعد ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ مدینہ طیبہ پہنچے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر فائز ہو چکے تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی مجلس میں موجود تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم رحمہ اللہ کو اپنے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے درمیان بیٹھنے کے لیے جگہ عنایت فرمائی اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کی پیشانی پر از راہ محبت و شفقت بوسہ دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں امت محمدیہ کے ایسے شخص کو دیکھ لیا جس کے ساتھ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام والا معاملہ کیا گیا (اور وہ محفوظ رہے)۔

چنانچہ ابو نعیم اصفہانی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ:

((عن شرحبیل الخولانی قال بینا الاسود بن قیس بن ذی الحمار العنسی بالیمن، فارسل الی ابی مسلم فقال له: اتشهد ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم رسول الله؟ قال نعم قال فتشهد انی رسول الله قال ما اسمع قال فامر بنار عظیمة فاحجت وطرح فیها ابومسلم فلم تضره فقال له اهل مملکة ان ترکت هذا فی بلدك افسدها علیك فامره بالرحیل فقدم المدینة وقد قبض رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم واستخلف ابوبکر...... الخ))[1]

اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس واقعہ میں مزید یہ چیز ذکر کی ہے کہ:

---

[1] حلیۃ الاولیاء (ابو نعیم اصفہانی) ص ۱۲۹ ج ۲ تحت ابی مسلم الخولانی رحمہ اللہ (۱۶۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پس جب ابومسلم رحمہ اللہ اپنی گفتگو تمام کر چکے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا (اس راست گوئی پر) اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت ہو۔"

((ثم هاجر فوجد رسول الله ﷺ قد مات، فقدم على الصدق فاجلسه بينه وبين عمر۔ وقال له عمر رضی اللہ عنہ: الحمد لله الذى لم يمتنى حتى ارى فى امة محمد (ﷺ) من فعل به كما فعل بابراهيم الخليل علیہ السلام وقبله بين عينيه))[1]

اسی طرح ان کی دینی عظمت اور کرامت کا ایک دیگر واقعہ علمائے کرام نے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ابومسلم خولانی رحمہ اللہ جب مسجد سے اپنے گھر کی طرف تشریف لاتے تو بلند آواز سے اپنے گھر کے پاس اللہ اکبر کہتے پھر ان کی اہلیہ جواباً اسی طرح الفاظ تکبیر کہتی تھی۔ ایک رات آپ تشریف لائے اور گھر کے دروازے کے پاس تکبیر کہی لیکن جواب میں گھر سے کسی کلمہ کی آواز نہیں سنائی دی۔ آپ گھر میں داخل ہوئے اور صحن میں کھڑے ہو کر پھر تکبیر اور سلام کہا مگر پھر بھی کسی نے جواب نہیں دیا۔ گھر میں معمول یہ تھا کہ جب آپ گھر میں تشریف لاتے تو ان کی اہلیہ ازراہ خدمت آپ کی چادر وغیرہ اتار کر رکھ دیتی اور آپ کے جوتے درست کر دیتی پھر طعام لا کر سامنے رکھتی۔ لیکن اب جب گھر میں تشریف لائے تو گھر کے اندر چراغ روشن نہیں تھا اور آپ کی اہلیہ گھر میں مغموم حالت میں سرنگوں کیے ہوئے پریشانی کے عالم میں زمین کرید رہی تھی۔ آپ نے گھر میں داخل ہو کر صورت حالات سے متعلق اپنی اہلیہ سے دریافت فرمایا۔

((قالت انت لك منزلة من معاوية وليس لنا خادم لوسألته فاخدمنا واعطاك فقال اللهم من افسد على امراتى فاعم بصرها قال وقد جاءتها امرأة قبل ذالك فقالت لها زوجك له منزلة من معاوية فلو قلت له يسأل معاوية يخدمه ويعطيه عشتم قال فبينا تلك المرأة جالسة فى بينها اذا انكرت بصرها فقالت ما لسراجكم طفى؟ قالوا لا! فعرفت ذنبها فاقبلت الى ابى مسلم تبكى وتسأله ان يدعوا الله عزوجل لها ان يرد عليها بصرها قال فرحمها ابومسلم فدعا الله لهما فرد عليها بصرها))[2]

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۶ ج ۸ تحت فصل ممن ذکر انہ توفی ہذہ السنۃ (۶۰ ھ)

[2] حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۳۰ ج ۲ تحت (۱۶۸) ابومسلم الخولانی رحمہ اللہ

کتاب مجاب الدعوۃ ص ۱۲۳-۱۲۴ تحت دعا ابی مسلم الخولانی وفضلہ مصنفہ الامام الحافظ ابی بکر عبداللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا القرشی متوفی ۲۸۲ھ

"یعنی اہلیہ نے عرض کیا کہ آپ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک مقام ہے (یعنی آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے) اور ہمارے لیے گھر میں کام کاج کے لیے کوئی خادم نہیں۔ اگر آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے طلب کرتے تو وہ ہمیں ایک خادم دیتے اور کچھ عطایا بھی عنایت فرماتے۔

یہ سن کر حضرت ابومسلم خولانی رحمہ اللہ برہم ہوئے اور فرمایا اے اللہ! جس نے میری بیوی کو یہ فساد ڈالنے والی بات سکھلائی ہے اس کی بینائی ختم کر دے۔ اس سے قبل آپ کے گھر میں ایک خاتون آئی تھی اور اس نے آپ کی اہلیہ سے بطور مشورہ کہا تھا کہ تمھارے خاوند کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں مقام احترام ہے، اگر وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خادم اور کچھ عطیہ طلب کریں تو وہ دے دیں گے اور تمھاری معاشرتی حالت بہتر ہو جائے گی۔ وہ مشورہ دینے والی عورت ان کے گھر میں ہی بیٹھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑥ سابقہ واقعات کی طرح ایک دیگر واقعہ ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کے نقد کرنے کا علماء نے ذکر کیا ہے۔ اس میں بھی حق گوئی اور آزادی رائے کا مسئلہ واضح طور پر موجود ہے:

((عن عبدالله بن عروة عن ابى مسلم الخولانى عن معاوية بن أبى سفيان رضی اللہ عنہما انه خطب الناس وقد حبس العطاء شهرين او ثلاثة فقال له ابو مسلم يا معاوية! ان هذا المال ليس بمالك ولا مال ابيك ولا مال امك فاشار معاوية الى الناس ان امكثوا ونزل فاغتسل ثم رجع فقال ايها الناس ان ابا مسلم ذكر ان هذا المال ليس بمالى ولا مال ابى ولا مال امى وصدق ابومسلم انى سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول الغضب من الشيطان۔ والشيطان من النار والماء يطفى النار فاذا غضب احدكم فليغتسل۔ اغدوا على عطاياكم على بركة الله عزوجل))[1]

''یعنی ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگوں کے عطایا اور وظائف ادا کرنے میں دو یا تین ماہ کی (کسی وجہ سے) تاخیر ہوگئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطبہ دینے لگے۔ اس اثنا میں جناب ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ نے سخت کلامی کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو (برملا ٹوک کر) کہا کہ یہ (بیت المال کا) مال نہ آپ کا ہے نہ آپ کے ماں باپ کی ملک ہے (بلکہ مسلمانوں کا حق ہے۔ بہ تقاضائے بشریت) اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناراضی ہوئی لیکن آپ نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ آپ یہیں ٹھہریں۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر تشریف لے گئے، وہاں غسل کیا اور پھر واپس تشریف لا کر حاضرین کو خطاب کیا کہ ابو مسلم خولانی نے درست کہا

← ہوئی تھی کہ ناگہاں اس کی آنکھوں کی بینائی ختم ہوگئی اور وہ کہنے لگی تمھارے گھر کے چراغ کو کیا ہوا، کیا چراغ بجھ گیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں چراغ تو روشن ہے۔ اس پر عورت کو یقین ہوگیا کہ میری بینائی ابو مسلم کی بددعا سے ختم ہوگئی ہے۔
اس عورت نے رونا شروع کر دیا اور کہتی تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میری بینائی کے متعلق دعا کریں۔ اس پر ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کو اس عورت پر رحم آ گیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس عورت کے حق میں دعا فرمائی اور اس عورت کی بینائی بحال ہوگئی۔''
حاصل کلام یہ ہے کہ اس واقعے سے یہ بات واضح ہوئی کہ ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلق اور حسن سلوک قائم تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی قدر دانی کرتے تھے اور احترام کرتے تھے، باوجودیکہ ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو حق گوئی کرتے اور راست گوئی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ نیز معلوم ہوا کہ ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کو اپنے گھر میں معاشرتی خوشحالی پسند نہیں تھی اور وہ طلب دنیا سے نفور تھے، جیسا کہ اہل اللہ کا طریقہ ہے۔

[1] مخطوطہ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) قلمی عکس شدہ ص ۶۰ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۳۰ ج ۲ طبع مصر تحت (۱۶۸) ابو مسلم الخولانی رحمہ اللہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ یہ مال نہ میرا ہے اور نہ میرے ماں باپ کا ہے۔ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ غضبناک ہونا شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور پانی آگ کو فرو کر دیتا ہے۔ پس جب ایسی صورت پیش آئے تو غسل کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ آپ لوگوں کو عطایا و وظائف مل جائیں گے۔ کل صبح آ جانا۔''

حاصل کلام

مختصر یہ ہے کہ معترض احباب نے حق گوئی کے مسلوب ہونے اور آزادی رائے کے خاتمے کے عنوانات کو بہت بنا سجا کر تحریر کیا ہے (جیسا کہ ابتدائے عنوان میں عرض کیا گیا)۔

ناظرین کرام کی خدمت میں ہم نے حدیث شریف اور تاریخ اسلام و تراجم سے اس دور کے صرف چند ایک واقعات بطور نمونہ پیش کر دیے ہیں۔ یہ صحابہ کرام اور تابعین سے منقول ہیں اور برملا مجالس عامہ میں پیش آئے ہیں۔ اس نوع کے خدا جانے کتنے مواقع سامنے آئے ہوں گے؟

ان امور پر انصاف کے ساتھ نظر غائر فرمائیں کہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں

① زبانوں پر قفل ڈال دیے گئے تھے؟

② کیا حق گوئی کا مسلوب کیا جانا اسی کا نام ہے؟

③ کیا آزادی رائے کا خاتمہ اسی طرح ہوتا ہے؟

④ کیا بیت المال کے مال کو صرف ذاتی مفاد کے لیے صرف کرنا اسی کو کہتے ہیں؟

خدارا انصاف فرمائیے اور جو چیز حق ثابت ہوا سے تسلیم کیجیے۔ تاریخ میں ہر قسم کا رطب و یابس، صحیح و غلط مواد موجود ہے۔ اس فن کے قواعد و ضوابط کے تحت جو چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت کے شایان شان ہو اس کو قبول کیا جاتا ہے اور جو چیز ان حضرات کے مقام و مرتبہ کے خلاف منقول ہو اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اکابرین امت کے نزدیک یہ بات مسلمات میں سے ہے۔

اب طعن کرنے والے دوستوں نے برعکس معاملہ کیا ہے۔ جس مواد سے طعن فراہم ہو سکتے ہیں اس کو لے کر مطاعن تیار کر لیے ہیں اور جن امور سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فوقیت قائم اور براءت ثابت ہوتی ہے یا مطاعن سے دفاع ہو سکتا ہے ان کو نظر انداز کر کے عوام ناظرین کو غلط فہمی میں ڈال دیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون...... فیا حسرتاہ! یہ طریق تحریر دیانت داری کے برخلاف ہے اور اہل اسلام کے ساتھ دھوکا دہی کے مترادف ہے اور صحابہ کی جماعت کے ساتھ عناد پر دال ہے اور بہتر دور کو سیاہ دور قرار دینے کی سعی لاحاصل ہے۔ مالک کریم سب مسلمانوں کو ہدایت نصیب فرمائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن کی توفیق بخشے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ